ـن الظلمات الی النور

ـکے اندھیروں سے نورِ اسلام تک (الآیۃ)

ـک نومسلم کے قبولِ اسلام کی داستان)

غازی احمد (سابق کرشن لال)

ایم-اے علوم اسلامیہ (گولڈمیڈلسٹ)

ایم-اے عربی (گولڈمیڈلسٹ)

ایم-او-ایل، بی-ایڈ

فاضل عربی (میڈلسٹ) فاضلِ فارسی،

فاضلِ درس نظامی

پتہ

سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج، بوچھال کلاں، ضلع جہلم

و

المکتبۃ العلمیۃ ○ ۱۵- لیک روڈ ○ لاہور

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ

کفر کے اندھیروں سے نورِ اسلام تک

ایک نومسلم کے قبولِ اسلام کی داستان

غازی احمدؒ (سابق کرشن لعل)
ایم۔اے (عربی۔گولڈ میڈلسٹ)
ایم۔اے (علومِ اسلامیہ۔گولڈ میڈلسٹ)
ایم۔او۔ایل، بی۔ایڈ
فاضلِ عربی (میڈلسٹ)
فاضل فارسی۔ فاضل درسِ نظامی
گورنمنٹ کالج۔ بوچھال کلاں
(ضلع جہلم)

بار سوم ــــــــــــــــــ ۱۴۰۰ ھ

تعداد ــــــــــــــــــ ۱۰۰۰

مطبع ــــــــــــ مطبعۃ المکتبۃ العلمیہ ۱۵ ایبک روڈ لاہور

مصنف و ناشر ــــــ غازی احمد - (پی ای ایس-I) —
سابق پرنسپل گورنمنٹ انٹر کالج بوچھال کلاں (ضلع جہلم)

کتابت ــــــــــــــــــ محمد اسحاق قریشی

ٹائیٹل ــــــــــــــــــ محمد یوسف سدیدی

قیمت : -/۱۵ روپے

اِنتساب

مَیں اپنی سعیٔ ناتمام کو اُس مقدس ذاتؐ کے نامِ نامی سے منسوب کرتا ہوں جس نے عالمِ رؤیا میں مجھے مشرف باسلام فرمایا۔ میری تمام کامیابیاں اور کامرانیاں جس کی دعا کی مرہونِ منت ہیں۔ میری زندگی کا ہر لمحہ جس کی شفقت کے سائے میں بسر ہو رہا ہے۔

جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے توحید کا مقدس پیغام دے کر مبعوث فرمایا۔ جس کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے۔ جس کو ختمِ نبوت کے بلند مراتب پر فائز کیا گیا اور رحمۃ للعلمین کے لقب سے نوازا گیا۔

آخر آمد بود فخر الاولین

فہرست عنوانات

حرفِ اوّل

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وَمَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن

اما بعد۔ اس ذاتِ اقدس کا شکر کس زبان سے ادا ہو سکے کہ جس نے گوناگوں مخلوقات کو کتمِ عدم سے منصۂ شہود پہ جلوہ گر فرمایا اور بنی آدم کو خلعتِ اشرف المخلوقات سے مشرف کیا۔ اُسے عقلِ سلیم کی نعمت سے نوازا تاکہ اس کی راہنمائی میں حق و باطل اور صدق و کذب میں امتیاز کر سکے اگر انسان اس نورانی چراغ کو خواہشاتِ نفس کی تیز و تند ہواؤں سے بچاتا ہوا اس کی ضیاء میں ادیانِ عالم کا بنظرِ غائر مطالعہ کرے تو وہ دینِ حق کی منزل تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور ادیانِ باطلہ کی کنہ و حقیقت کے ادراک سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ انسان سفلی خواہشات اور نفسانی آرزوں کا غلام بن گیا اور خالقِ حقیقی کی یاد اس کے دل سے محو ہو گئی وہ جہالت و ضلالت کی مہیب و پُرخطر وادیوں میں سرگرداں پھرنے لگا۔ ضمیر کا اطمینان اور دل کا سکون اُسے کہیں نہ مل سکا۔ بحرِ رحمتِ ایزدی جوش میں آیا اور اللہ نے اپنے خطاکار بندوں کو راہِ حق دکھانے کے لئے اپنے رسول مبعوث فرمائے۔ لوگ خواہشاتِ نفسانی

اور سفلی جذبات کے مقابلے میں اس قدر مغلوب ہو چکے تھے۔ کہ داعیوں کی وفات کے تھوڑا عرصہ بعد ہی اُن کی تعلیمات کو یکسر بھول جاتے یا مسخ کر ڈالتے۔

اگر ہم طلوعِ اسلام سے پہلے کے دَور پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے۔ کہ حق وصداقت کی ایک کرن تک کہیں دکھائی نہ دیتی تھی۔ لوگ گمراہی کی تاریک وادیوں میں درندوں کی سی زندگی بسر کر رہے تھے۔ وہ زندگی اور تخلیق کے مقصد سے قطعاً بیگانہ اور نابلد ہو چکے تھے۔ دور دور تک اخلاقیات کا نام ونشان تک نہ تھا۔ کھُلے بندوں غیر اللہ کی پرستش کی جارہی تھی۔ خدائے وحدہٗ لاشریک کی صفات میں اُس کے نیک بندوں کو برابر کا شریک بنا لیا گیا تھا۔

سُنتِ قدیمہ کے مطابق خدائے لایزال نے اپنے آخری داعی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ دنیا والوں کو ضلالت کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ایمانی کی راہ دکھائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کا پیغام اُسکے بندوں تک پہنچایا۔ سعید فطرت لوگوں نے پیغامِ الٰہی کو دل وجان سے تسلیم کیا۔ اور دینی ودنیوی سعادتوں سے مستفیض ہوئے۔

بد فطرت لوگوں نے داعی کے پیغام کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور ابدی سعادتوں سے محروم رہ گئے۔ آپؐ کو قرآن حکیم جیسا مقدس ولاریب ضابطہ حیات عطا کیا گیا۔ سعادت مند ہیں وہ لوگ جو نورِ نبوت سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ خداوندِ کریم نے کتابِ مقدس میں ہدایت حاصل کرنے کے دو راستے بیان فرمائے ہیں۔ یَهْدِیٓ اِلَیْهِ مَنْ یُّنِیْبُ اور یَجْتَبِیٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ۔ راہِ اوّل جان جوکھوں کا کام ہے مگر اکثر سعادت مند لوگ اسی راہ پر گامزن ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہنچے۔ راہ دوم ہر ایک کی قسمت میں کہاں؟ کسی خوش بخت انسان کو نصیب ہوتا ہے۔ دنیا کی دولت خرچ کرنے یا تگ ودو کرنے سے بھی اس نعمتِ عظمٰی کا حصول ممکن نہیں۔ لیکن جس پر اس کا خاص فضل وکرم ہو گیا وہ اس دولت سے مالا مال ہو گیا۔ اگر یہ عاجز بھی بمصداق "لہو لگا کر شہیدوں میں ملنا" اپنے آپ کو اس زمرہ میں شمار کرنے کی جسارت کر سکے تو زہے نصیب!

مجھے اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے اسلام لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں نے اپنے گھر بار، خویش واقارب اور ماں باپ کو بچپن کے زمانے میں چھوڑ کر اسلام کے دامن میں پناہ لی۔ اور اس راہ میں کچھ آزمائشوں سے بھی دوچار ہونا پڑا مگر اللہ تعالیٰ نے استقامت سے نوازا۔

ج

میرے دوست میری داستانِ غم و مسرت سن کر بہت متاثر ہوتے ہیں ان کا اصرار تھا کہ میں اپنی زندگی کے حالات تحریر کی صورت میں مسلمان بھائیوں کی خدمت میں پیش کروں۔ شاید کوئی بات کسی صاحب دل کو پسند آجائے۔ اور ان کی دعائیں میرا سرمایہ بن جائیں۔

میں اس کام سے ہمیشہ پہلو تہی کرتا رہا۔ کہ میری تاریخ کے اوراق میں ایسا کوئی قابلِ ذکر کارنامہ نہیں جو صفحۂ قرطاس کی زینت بن سکے۔ بلکہ اپنے حالات تحریر کرنے سے بجز ندامت و شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا لیکن دوستوں کے پُرخلوص اصرار اور حسنِ ظن نے میرے لئے انکار کی کوئی صورت نہ چھوڑی۔ اور میں اپنے حالات قلمبند کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔ صرف اس اُمید پر کہ قارئین حضرات میرے چند ناقص اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ پڑھ کر میرے حق میں دعائے خیر کریں گے۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے حقیقی معنوں میں مسلمان بننے کی توفیق دیں اور قیامت کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے نوازیں تاکہ اس روز مجھے اپنی بداعمالیوں کی بنا پر ندامت نہ ہو۔

آمین ثم آمین۔

غازی احمد

بروز جمعۃ المبارک ۱۶ / مارچ ۱۹۷۹ء

درخورِ غور ہے رودادِ حصولِ اسلام
کیوں ہوئے نقش رگِ جاں پہ اصولِ اسلام

کس طرح، کرشن سے مَیں بن گیا غازی احمد
ہوا کس طرح، مرے دل پہ نزولِ اسلام

بخت جاگا، میری قسمت کا ستارہ چمکا
خواب میں آیا نظر، نورِ رسولِ اسلام

جس کی تعلیم نے دُنیا کا مُرقّع پلٹا
اس کا ایماں ہے میرا عزمِ قبولِ اسلام

کفر سے ہو نہیں سکتا کبھی خائف غازی
جلوہ فرما ہیں میرے سر پہ ظلولِ اسلام

عقل کہتی ہے کہ ہر شعبۂ اسلام ہے خُوب
علم و حکمت سے ہیں لبریز اصولِ اسلام

کافروں کی نہیں پروا معاون ہیں مرے
مسلم و نیک، ولی، غازی فحولِ اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے گاؤں کا محلِ وقوع

راولپنڈی سے سرگودھا جاتے ہوئے چکوال سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک سطح مرتفع ہے جسے "علاقہ ونہار" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ علاقہ تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم کی آخری حدود پر واقع ہے سطح سمندر سے اُس کی بلندی تقریباً ۲۷۰۰ فٹ ہے موسم گرما میں یہاں کا موسم خوشگوار اور معتدل ہوتا ہے شدید گرمی کے ایام میں بھی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دل و دماغ کو سکون بخشتے ہیں۔ شہنشاہ بابر نے خوشاب کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے جب اس علاقے میں قیام کیا اور اس کی خوشگوار آب و ہوا سے لطف اندوز ہوا تو بے ساختہ کہہ اُٹھا " ونہار بچہ کشمیر است" یہ الفاظ اب بھی تزکِ بابری کی زینت ہیں۔ کلرکہار کے دیدہ زیب باغات میں پتھر سے تراشا ہوا تختِ بابری اب بھی سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز ہے۔

قیامِ پاکستان سے پہلے علاقہ ونہار کے ہر گاؤں میں ہندو آبادی موجود تھی۔ مسلمانوں کے مقابلے میں اگرچہ وہ اقلیت میں تھے لیکن معاشی طور پر انھیں بالادستی حاصل تھی۔ مالی اور تجارتی معاملات پر ان کا مکمل کنٹرول تھا۔ مسلمان اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہندو ساہوکاروں سے روپیہ قرض پہ لیتے اور ساری عمر سود در سود کے چکر میں پڑے رہتے مسلمان نوجوان حصولِ تعلیم کے بعد فوج کا رُخ کرتے۔

علاقہ ونہار ستائیس گاؤں پر مشتمل ہے۔ آبادی تجارت اور تعلیم کے لحاظ سے بوچھال کلاں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے بوچھال کلاں کی شمالی جانب دو میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں "دومیانی" آباد ہے راقم الحروف اسی گاؤں کا باشندہ ہے، یہ گاؤں تقریباً سو گھروں پر مشتمل تھا ہندوؤں کی آبادی ایک چوتھائی کے قریب تھی گاؤں میں ضروریات کی فراہمی کے لیے تین چار دکانیں تھیں۔ اور یہ

انہی حضرات کی ملکیت تھیں جو سارا سال نادار مسلمانوں کو اشیائے ضروریات قرض پر دیتے اور فصل تیار ہونے کے موقع پر سستے داموں گندم اور دیگر اجناس سے اپنا حساب کتاب چکاتے مسلمانوں کی ہر اہم تقریب میں شمولیت کے لئے ہندوؤں کو بھی مدعو کیا جاتا۔ اور مسلمانوں کی ہر باہمی آویزش میں ان کی رائے کا کافی عمل دخل ہوتا۔

میرا خاندان

میانی کی ایک بااثر ہندو شخصیت لالہ جوالا سہائے کی تھی ان کے تین بھائی متوال چند۔ دیوان چند اور گوپی چند اپنے خاندان میں نمایاں مقام رکھتے تھے اور کافی مزروعہ اراضی کے مالک تھے لالہ جوالا سہائے (راقم الحروف کے دادا) کے تین لڑکے لالہ گوراندتہ۔ لالہ بھیم سین اور لالہ رام رتن بقید حیات تھے۔ یہ تینوں حضرات مختلف شعبوں میں ملازم تھے اور خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔ لالہ بھیم سین سبھروال (راقم کے والد) ریاست کشمیر میں ہری کرشن اینڈ کمپنی ٹمبر سپلائرز کی فرم میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ اور کشمیر کے مشہور قصبہ بھدرواہ میں مقیم تھے۔ وہ مالی لحاظ سے خاندان میں مضبوط پوزیشن کے مالک تھے۔

میری پیدائش کا پہلا قصّہ

والدہ صاحبہ نے بتایا کہ شادی کے بعد ہمارے چار بچے پیدا ہوئے جو سب کے سب صغر سنی ہی میں وفات پا گئے۔ ہم نے اولاد کے لئے بڑے جتن کئے۔ اطباء اور ڈاکٹروں سے رجوع کیا۔ مختلف مقدس مقامات پر حاضری دی۔ مگر بے سود۔ ہمیں ایک پنڈت صاحب نے بتایا کہ تم سرگودھا کے پاس کرانہ پہاڑی پر واقع مندر میں جا کر منت مانو وہاں ایک بھگوان رسیدہ سادھو ہیں اُن سے دُعا کراؤ۔ چنانچہ ہم دونوں میاں بیوی کرانہ مندر کے درشن کو گئے بزرگوں کے بتوں کے سامنے سرنگوں ہوئے اور دعا مانگی۔ اے پرماتما! ہمیں نرینہ اولاد عطاء فرما جو زندہ رہے۔ گدی نشین صاحب کی خدمت میں گزارش کی کہ نرینہ اولاد ہونے پر ہم ایک ہزار روپیہ مندر کی خدمت کے طور پر پیش کریں گے۔

جون ۱۹۲۴ء کو ہمارے ہاں ایک بچے نے جنم لیا۔ تمام خاندان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ غرباء میں کافی روپیہ تقسیم کیا گیا تاکہ ہمارا بچہ زندہ رہے۔ ایک پنڈت صاحب کی ہدایت پہ بچے کا نام کرشن لعل (راقم کا سابقہ نام) رکھا گیا۔ تاکہ سری کرشن مہاراج۔ جو اپنے وقت کے اوتار تھے۔ کی طرح عمر پائے اور اُن کے نقش قدم پہ چلے۔

یہ تھا میری پیدائش کا قصہ جو والدہ مکرمہ سنایا کرتی تھیں۔ لیکن والدہ صاحبہ اس حقیقت سے شناسا نہ تھیں۔ کہ اولاد عطا کرنے والا اور زندگی دینے والا تو صرف خالق کائنات ہے۔ وہی حی و قیوم اور محی و ممیت ہے۔ اس کائنات میں اس کی ذات کے سوا اور کسی کا حکم نہیں چلتا۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ راہ راست سے اعراض کرنے کا نتیجہ یہی ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کے دروازے سے منہ موڑ لے تو اسے ان گنت دروازوں کی دہلیز پر جبہ سائی کرنا پڑتی ہے اور وہ شرک و کفر کی اتھاہ گہرائیوں اور تاریکیوں میں گرتا چلا جاتا ہے۔

میری پیدائش کا دوسرا قصہ

میانی کے ایک معمر شخص ملک سلطان مبارز ولد ملک زمان شاہ صاحب نے مجھے بتایا۔ کہ میں ۱۹۲۴ء کے اوائل میں فوجی ملازمت سے سبکدوش ہو کر گھر آ گیا۔ ہمارے گھر ایک روز ہمارے روحانی پیشوا سید محمد حسین شاہ صاحب ہمدانی ساکن سدیانہ ضلع جھنگ جلوہ افروز تھے جو بڑے صالح۔ متقی اور صاحب نظر بزرگ تھے۔ میں اور میری ہمشیرہ شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ کی والدہ لالہ کانشی رام کے گھر جاتے ہوئے ہمارے دروازے کے سامنے سے گزریں۔ شاہ صاحب کی نظر ان پر پڑی تو مجھ سے دریافت فرمایا کہ یہ عورت کون ہے۔ میری ہمشیرہ نے عرض کیا کہ یہ ایک ہندو عورت ہے جو اس گاؤں کے معزز ہندو لالہ جوالا سہائے کی بہو ہے۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس عورت کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتے سنائی دیتا ہے۔ ہم خاموش رہے۔ میں دل ہی دل میں شاہ صاحب کے ارشاد پر حیران ہو رہا تھا۔ کہ اس قدر کٹر ہندو گھرانے کا بچہ ماں کے پیٹ میں کلمہ طیبہ کا ورد کیونکر کر رہا ہے۔

ہمیں یاد ہے کہ ۱۹۲۴ء میں آپ پیدا ہوئے۔ آپ کا نام کرشن لعل رکھا گیا میں چند روز بعد اپنی ہمشیرہ کو لے کر آپ کے گھر گیا اور ہمشیرہ سے کہا کہ اندر سے بچے کو اٹھا لاؤ تاکہ میں اسے دیکھ سکوں۔ ہمشیرہ بچے کو لے آئیں میں بڑی توجہ اور انہماک سے بچے کو دیکھ رہا تھا اور شاہ صاحب کا ارشاد میرے دل و دماغ میں گردش کر رہا تھا۔

چودہ سال کے طویل عرصے میں شاہ صاحب کا ارشاد ہمارے ذہن سے تقریباً محو ہو چکا تھا آخر جب ۱۹۳۸ء میں آپ نے قبول اسلام کا اعلان کیا تو میری ہمشیرہ دوڑتے دوڑتے میرے گھر آئی اور بتایا دیکھئے شاہ صاحب کے ارشاد کی صداقت کہ کرشن لعل نے آج اسلام قبول کر لیا ہے۔

میری پیدائش کے سلسلے میں یہ دوسرا بیان تھا جو میں نے ملک سلطان مبارز صاحب سے سُن کر سپردِ قلم کیا۔ ملک صاحب اب اسّی سال کے ہیں اور بقیدِ حیات ہیں۔

میرے بھائی

میرے بعد میرے تین بھائی موہن لعل، ارجن داس اور پریم داس پیدا ہوئے۔ جو اب انڈیا میں مقیم ہیں۔ چونکہ میں سب بھائیوں میں بڑا تھا اس لیے پورے خاندان کی توجہ اور شفقت کا مرکز تھا۔ والدین میری ہر خواہش کو پورا کرتے۔ سال کے بعد جب والد صاحب رُخصت پہ آیا کرتے تو میرے لئے کافی ساز و سامان ساتھ لاتے۔ میرا بچپن بڑے آرام اور سکون سے بسر ہو رہا تھا۔

میانی سکول میں داخلہ

پانچ سال کی عمر میں مجھے پرائمری سکول میانی میں داخل کرایا گیا۔ دادی صاحبہ مجھے ساتھ لے کر سکول گئیں دادی صاحبہ نے اندازے کے مطابق میری عمر یکم جون ۱۹۲۴ء کی بجائے یکم جون ۱۹۲۲ء درج کرادی۔ بعد کے حالات نے ثابت کیا۔ کہ عمر میں یہ درج شدہ اضافہ میرے لئے بہت مفید رہا۔

مڈل سکول بوچھال کلاں

دوسری جماعت تک میں نے ڈی - بی پرائمری سکول میانی میں تعلیم حاصل کی۔ تیسری جماعت کی تعلیم کے لئے ڈی۔ بی۔ مڈل سکول بوچھال کلاں میں داخل کرایا گیا۔ میانی سے بوچھال جانے والے ہم تقریباً بیس بائیس طلبہ تھے۔ ہم چار بچے ہندو مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ باقی سب مسلمان تھے۔ لیکن ہم سب میں باہمی طور پر بڑا اتحاد و اتفاق تھا۔ ہم سب مل کر سکول جاتے اور سکول بند ہونے پر اکٹھے ہی گھر آتے۔

مندر میں حاضری

۱۹۳۵ء میں میں نے پانچویں جماعت کا امتحان پاس کر لیا۔ والد صاحب رُخصت پہ گھر آئے تو انہوں نے والدہ صاحبہ سے فرمایا کہ اب ہمیں اپنی نذر پوری کرنے کے لئے کرانہ کی یاترا کرنی چاہیئے۔ والدین مجھے ساتھ لے کر کرانہ پہاڑی کے مندر کے لئے ایفائے نذر کے سلسلہ میں روانہ ہو گئے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے مندر میں سیاہ رنگ کے پتھر کے بہت سے بُت نصب تھے۔ والدین نے عقیدت و احترام کے ساتھ سب کے سامنے اپنے آپ کو سرنگوں کیا اور میں پاس کھڑا تماشا دیکھتا رہا۔ تشکر و امتنان کی ان رسومات سے فارغ ہو کر مندر کے پروہت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ والدین اُن کے سامنے سجدہ میں جُھک گئے نذر کے ایفاء کے طور پہ ایک ہزار روپیہ اُن کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سادھو صاحب نے خوش ہو کر میرے سر پہ ہاتھ پھیرا اور درازیٔ عمر کی دُعا دی۔ والدین

کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اگر بھگوان نے چاہا تو آپ کا بیٹا طویل عرصہ تک زندہ رہے گا اور عزت پائے گا۔ کرانہ مندر سے واپس ہوتے ہوئے ہم نے سرگودھا میں ماموں کے ہاں قیام کیا اور دوسرے دن گھر پہنچ گئے۔

تعطیلات گرما کے اختتام پر تعلیمی مشغلہ پھر سے شروع ہوگیا۔ اور میں چھٹی جماعت میں زیر تعلیم تھا۔

والدین کے عقائد

جہاں تک والدین کے مذہبی عقائد کا تعلق تھا وہ گاؤں کے دیگر ہندو افراد کی طرح سناتن دھرم عقائد کے حامل تھے۔ جن میں اصنام پرستی اور شخصیت پرستی کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ گاؤں میں ایک ہی مندر تھا جہاں ہمارے گھر والے حصولِ سعادت کی خاطر ہفتہ میں ایک دو بار حاضری دیا کرتے۔ اس مندر میں کوئی بُت نہ تھا۔ ایک چوبی تخت پر مذہبی کتاب گرنتھ بڑی زیب و زینت کے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ گاؤں میں صرف دو فرد ایک مرد اور ایک عورت گرنتھ پڑھ سکتے تھے وہی گرنتھ کا پاٹھ کیا کرتے تھے ہر ماہ بکرمی کی پہلی تاریخ کو گاؤں کے تمام ہندو مرد اور عورتیں مندر میں باقاعدہ حاضری دیتے اور گرنتھ کا پاٹھ سنتے۔ فراغت حاصل کرنے کے بعد حلوے کی صورت میں پرشاد تقسیم کیا جاتا تھا۔ پرشاد کے لالچ میں ہم بچے بھی ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو مندر میں حاضر ہوا کرتے۔

گاؤں کے ہندو مذہبی تعلیم سے بہت کم لگاؤ رکھتے تھے چند مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لئے مندر میں جانا کافی خیال کرتے تھے۔ یہی حالت میرے والدین کی تھی۔ مذہب سے اُن کا لگاؤ بھی چند رسوم تک منحصر تھا۔ میری ایک بیوہ تائی صاحبہ ہر روز باقاعدگی سے مندر جاتیں اور اکثر مالا پڑھتی رہتیں۔ گاہے گاہے وہ ہمیں بھی مذہبی باتیں سنانے کے لئے پاس بٹھا لیتیں۔ دنیا کے معاملات میں ہندو حضرات پوری مہارت اور انہماک رکھتے تھے۔

مسلم بچوں سے مذہبی گفتگو

مجھے یاد ہے کہ ۱۹۳۷ء میں جب کہ میں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا تو سکول جاتے ہوئے یا واپس آتے ہوئے اکثر مسلم طلبہ کے ساتھ مذہبی گفتگو کا آغاز ہو جاتا۔ میں کہا کرتا اگر مسلمان راہِ راست پر ہوتے اور خدا کے ہاں مقبول ہوتے تو اس قدر غریب نہ ہوتے۔ دیکھئے ہندو کس قدر امیر ہیں۔ ثابت ہوا ہندو دھرم ہی درست ہے اور ہم راہِ راست پر ہیں۔ مسلم طلبہ اس کا یہ جواب دیتے کہ دنیا کی دولت رضائے خداوندی کے لئے معیار نہیں

ہے حقیقت یہ ہے۔ کہ جب ازل میں اللہ تعالیٰ نے ارواح کو پیدا فرمایا تو مسلمان ارواح نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایمان جیسی نعمت عظمیٰ کی استدعا کی تھی۔ اور غیر مسلم ارواح نے دولت طلب کی تھی یہ جواب سنکر ناشعوری طور پر میرے دل میں ایک نوع کا احساس محرومی پیدا ہونے لگا کہ شاید ہم لوگ اسی لئے دولتمند ہیں کہ ہم نے دولت طلب کی تھی اور ایمان کی استدعا نہیں کی تھی۔ میرے دل میں معًا یہ خیال آتا کہ میں اپنے خالق سے دولت کے علاوہ ایمان کی طلب بھی کرونگا۔

اسلام کی پہلی کتاب کا مطالعہ

ایک بار میرے ایک مسلمان ہم جماعت نے مولانا عبید اللہ صاحب کی کتاب تحفۃ الہند مجھے مطالعہ کے لئے دی مولانا سکھ مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں ایمان کی دولت سے نوازا تھا۔ کتاب میں اسلام، ہندو مت اور سکھ ازم کے بارے میں بحث تھی۔ اگرچہ میں عمر کے لحاظ سے ناپختہ ذہن کا مالک تھا لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے میرے ذہن میں کچھ تحرک و اضطراب سا رونما ہونے لگا اور مذہب کی طرف میرا میلان بڑھتا گیا۔ چنانچہ میں صبح و شام باقاعدگی سے ہندو مذہب کے مطابق سندھیا کا فریضہ ادا کرنے لگا، اور سونے سے قبل ہر رات والدہ صاحبہ کی مالا لے کر آٹھ دس بار پڑھ لیتا۔ والدہ صاحبہ اس مذہبی میلان پر قدرے حیران تھیں۔ اسی دوران اسلام کے متعلق چند آسان سی کتب پڑھنے کو مل گئیں۔ یہ کتب میرا ہم جماعت ریشم خان فراہم کرتا۔ ان کتب کے مطالعہ سے اسلام کے متعلق مجھے ابتدائی معلومات حاصل ہوگئیں۔ سکول آتے یا جاتے وقت میں جب مسلمان طلبہ سے اسلامی مسائل کا تذکرہ کرتا تو وہ حیران ہو جاتے۔

شب قدر

ایک روز سکول سے فراغت کے بعد ہم گھر لوٹ رہے تھے۔ راستے میں مسلمان طلبہ نے بتایا کہ آج رات بیدار رہ کے دعائیں مانگیں گے۔ رات کو نور خداوندی زمین پر پہنچ کر ہر چیز کو منور کر دیتا ہے اس وقت جو دعا مانگی جائے وہ شرف قبولیت حاصل کر لیتی ہے۔ گھر آتے ہوئے میں نے مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ آج رات میں بھی سونے کا نام نہ لوں گا۔ اور بیدار رہ کر اپنے مالک سے ایمان کی التجا کرونگا اور آئندہ سال کی شب قدر میں دولت کی استدعا کرونگا۔

شام کے وقت میں نے والدہ مکرمہ کی خدمت میں گزارش کی۔ امی جان! آج میں برآمدے میں سونا چاہتا ہوں میرا بستر وہیں لگا دیں۔ والدہ صاحبہ نے وجہ دریافت کی۔ میں نے عرض کیا۔ آج شب قدر

ہے میں تمام رات بیدار رہوں گا۔ جب میں اس روشنی کا مشاہدہ کروں گا جس میں درخت بھی سرنگوں ہو جاتے ہیں تو میں اپنے پرماتما سے دعا کروں گا۔

والدہ صاحبہ نے فرمایا یہ تو مسلمانوں کی شب قدر ہے تم جاگ کر کیا کرو گے۔ میں نے کہا امی جان! کیا حرج ہے جبکہ ہمارا اور مسلمانوں کا خدا ایک ہی ہے۔ میرے اصرار کرنے پر امی جان نے میرا بستر آنگن میں لگا دیا۔ جب والدہ صاحبہ اور میرے بھائی سو گئے تو میں رضائی اوڑھ کر مغرب کی طرف منہ کرکے چارپائی پر بیٹھ گیا اور نور کے ظہور کا انتظار کرنے لگا۔ ننھے سے دل میں ایک ہی جذبہ موجزن تھا کہ جب نور کا مشاہدہ کروں گا اور صحن میں لگے ہوئے درخت کو سرنگوں دیکھوں گا تو فوراً اپنے مالک کی بارگاہ سے ایمان کی بھیک طلب کروں گا تاکہ مسلمان ساتھی یہ نہ کہیں کہ میں ایمانی دولت سے محروم ہوں۔ مجھے یقینِ کامل تھا۔ کہ آج رات کی دُعا ہرگز ضائع نہ ہوگی۔ دل میں یہ خیال بھی آیا کہ آئندہ سال کی شب قدر میں دولت کے حصول کی دُعا کروں گا۔ تاکہ مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں سے آگے نکل جاؤں۔

میں بمشکل نصف شب تک بیدار رہ سکا۔ نصف شب کے بعد غیر ارادی طور پر بیٹھے بیٹھے سو گیا صبح کے وقت والدہ مکرمہ نے مسکراتے ہوئے جگایا۔ اور کہا اگر سونا ہی تھا تو کمرے میں آرام سے سو جاتے احساسِ ندامت سے میری گردن جھک گئی، میں اپنے سو جانے پر افسوس کرنے لگا۔ کہ دعا مانگنے کا سنہری موقع میں نے ضائع کر دیا۔

شب قدر کی برکت اللہ تعالیٰ جل جلالہ کی رحمت کا کیا ٹھکانا! مولائے کریم نے میرے معصوم جذبات اور میری ایمانی تمناؤں کو شرفِ قبولیت سے نوازا۔ الحمد للہ سال آئندہ کی شب قدر سے پہلے ہی میرا دل ایمان کی ضیاء پاشیوں سے منور ہو چکا تھا۔ جو شخص خلوصِ دل سے اللہ رب العزت سے استدعا کرتا ہے وہ ہرگز خائب و خاسر نہیں رہتا حدیثِ نبوی میں ہے۔ مولائے کریم فرماتے ہیں کہ جو شخص قلبی خلوص کے ساتھ میری بارگاہ میں التجا کرتا ہے اس کی التجا کو رد کرتے ہوئے مجھے حیا آتی ہے

اگرچہ ایمان کے لیے دعا یہ الفاظ میرے لبوں تک نہ پہنچ سکے۔ لیکن علیم بذات الصدور نے میرے معصوم جذبات کی لاج رکھ لی۔ میں سب سے زیادہ اپنے آقا و مولیٰ اللہ تعالیٰ کا ممنون ہوں

مولانا عبدالرؤف صاحب سے ملاقات

صبح سکول جاتے ہوئے میں نے رات کی تمام روئیداد اپنے ساتھی طالب علم ریشم خان کو سنائی۔ ریشم خاں نے کہا کہ بوچھال کلاں میں ہمارے سکول کے قریب ہی ایک بزرگ اور نیک آدمی رہتے ہیں۔ کسی دن آپ کو ساتھ لے جا کر اُن سے ملواؤں گا۔ میں نے کہا اگر میرے گھر والوں کو پتہ نہ چلے تو میں ضرور تمہارا ساتھ دوں گا۔ چنانچہ چند روز بعد ہم دونوں مولانا عبدالرؤف صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ریشم خان نے میرا تعارف کرایا کہ اس کا نام کرشن لعل ہے۔ یہ میرا پڑوسی ہے۔ اسلامی کتب پڑھتا رہتا ہے۔ یہ شب قدر کو جاگتا رہا ہے۔ مولانا مذہب کے بارے میں مختلف سوالات پوچھتے رہے اور میں اپنی معلومات کے مطابق جواب دیتا رہا۔ میں نے مولانا کو بتایا۔ کہ ہر روز صبح و شام میں اپنے پروردگار کی عبادت کرتا ہوں اور سونے سے پہلے آٹھ دس بار مالا پر بھی پڑھا کرتا ہوں۔

مولانا میری باتیں سن کر بڑے خوش ہوئے۔ فرمانے لگے مجھے تمہارے مذہبی میلانات سے بڑی مسرت ہوئی ہے۔ میں تمہیں ہرگز یہ نہیں کہوں گا کہ اپنا دین ترک کر کے اسلام قبول کر لو البتہ ایک بات خیر خواہی کے طور پر کہے دیتا ہوں اگر اس پر عمل کرو گے تو ضرور فائدہ اٹھاؤ گے۔ عرض کیا آپ فرمائیں میں حتی الوسع عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔

طلب ہدایت کی دُعا

فرمایا مسلمانوں اور ہندوؤں کا خدا ایک ہی ہے ہم اُسے اللہ کے نام سے پکارتے ہیں اور آپ بھگوان یا پرماتما کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ دونوں کا خالق و مالک وہی ایک ہے۔ وہی ہر ایک کی دُعا قبول کرتا ہے۔ ہر ایک پر رحمت کرتا ہے ہر جاندار کو وہی رزق دیتا ہے۔ وہ نہایت مہربان آقا ہے۔ اگر انسان رات کے وقت سونے سے پہلے اپنے آقا کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو کر خلوص سے دعا مانگے "اے پروردگار عالم! میں ایک بے یار و مددگار اور کم فہم انسان ہوں مجھ میں اتنی اہلیت نہیں کہ میں راہ راست کو پہچان سکوں۔ اگر آپ کمال عنایت سے صراط مستقیم کا انکشاف فرما دیں تو میں اس راہ کو ضرور اپنا لوں گا۔ اے میرے مالک میں اپنے آپ کو آپ کے حوالے کرتا ہوں۔"

مولانا نے فرمایا۔ بیٹا! اگر تم باقاعدگی سے اپنے رب کے حضور یہ دعا کرتے رہو گے تو

رب تعالیٰ ضرور بالضرور آپ کو راہِ حق کی ہدایت فرمائیں گے۔ پھر اُسے قبول کرنا آپ کی ذمہ داری ہوگی۔ ہمیں ہمارے بزرگوں نے بتایا ہے کہ جب انسان اپنے آپ کو اللہ رب العزت کے حوالے کر دیتا ہے تو وہ اُسے ہرگز ضائع نہیں کرتا۔ اس کی بارگاہ میں محرومی نام کی کوئی چیز نہیں۔ اس دُعا میں نہ کسی مذہب پر حملہ ہے اور نہ کسی مذہب کا نام ہے۔ بیٹا اگر تمہیں ہندو مذہب کی طرف ہدایت ملے تو اُسی دھرم پر قائم رہنا اور اگر کسی دیگر مذہب کی رہنمائی حاصل ہو تو پھر اُسے اختیار کرنے کا فیصلہ کر لینا انشاء اللہ صحیح مذہب کی حقانیت کے لیے یہ دُعا برہانِ قاطع ثابت ہوگی۔

مولانا عبدالرؤف صاحب کی تجویز مجھے بہت پسند آئی میں نے عہد کیا کہ ہر روز رات کو یہ دُعا مانگ کر سویا کروں گا۔ اور جس مذہب کے متعلق مجھے راہنمائی ملی میں اُسے ضرور قبول کرلوں گا کافی دیر گزر چکی تھی ہم مولانا موصوف سے اجازت لے کر رُخصت ہوئے۔ مولانا نے بڑے تپاک اور شفقت سے الوداع کیا۔

پچھلے پہر قدرے تاخیر سے گھر پہنچا۔ والدہ صاحبہ نے تاخیر کی وجہ دریافت کی۔ میں نے بتایا کہ ہم راستے میں بیٹھ کر سکول کا کام کرتے رہے لہذا دیر ہوگئی۔ والدہ صاحبہ مطمئن ہوگئیں۔

دُعا کا آغاز

رات کو سونے سے پہلے مولانا کی بتائی ہوئی دُعا مانگی اور سو گیا۔ تقریباً دس پندرہ روز ہر رات کو یہی دُعا مانگ کر سوتا۔ لیکن میں نے دُعا کا کوئی اثر محسوس نہ کیا۔ یہ فروری ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے۔ میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ سالانہ امتحان بھی قریب تھا۔ سکول کے کام سے فارغ ہونے کے بعد سونے سے قبل میں باقاعدہ دعا کر کے سوتا کہ اللہ تعالیٰ راہِ راست کا انکشاف فرما دیں۔

اواخر فروری ۱۹۳۸ء کا ذکر ہے۔ جب میں نے سکول کا کام ختم کر لیا اور سونے کے لئے بستر پہ دراز ہوا تو میں نے اپنے آقا سے عرض کیا۔ میرے مالک! مجھے اپنی دعاؤں کا کوئی اثر نظر نہیں آتا کیا میں آپ کا بندہ نہیں ہوں احساسِ محرومی اور شدتِ جذبات نے میرے دل کو پگھلا دیا۔ اور بلا ارادہ آنسوؤں کے چند قطرے میری آنکھوں سے ٹپک پڑے اور میں پُرنم آنکھوں کو بند کر کے سو گیا۔ نصف شب کا عمل ہوگا کہ میں نے ایک خواب دیکھا۔

عالمِ خواب میں نبی اکرمؐ کی زیارت

میں نے اپنے ایک ہم جماعت لال خاں ولد عالم شیر سکنہ میانی سے کہا۔ آؤ یار میرا ارادہ ہے کہ مل کر حج کر آئیں میں مکہ مکرمہ پہنچ کر اسلام قبول کر لوں گا۔ لال خاں چلنے پہ رضامند ہو گیا اور ہم میانی گاؤں سے نکل کر مکہ مکرمہ کی سمت چل پڑے۔

ہمارے گاؤں سے شمالی جانب ایک میل کے فاصلہ پہ کچھ چشمے اور باغات ہیں۔ جب ہم نے باغات کو عبور کر لیا تو ہمیں سامنے سے ایک ہندو سادھو آتا دکھائی دیا جس نے صرف ایک لنگوٹی زیب تن کر رکھی ہے اور اس نے تمام بدن پہ راکھ مل ہوئی تھی۔ ہمارے قریب پہنچ کر سادھو نے شفقت بھرے لہجے میں کہا عزیزو! کہاں جا رہے ہو۔ لال خان نے جواب میں کہا کہ ہم حج کرنے مکہ مکرمہ جا رہے ہیں۔ سادھو مسکراتے ہوئے کہنے لگا بہت اچھا میرا بھی وہیں جانے کا ارادہ ہے۔ خوب ساتھ رہے گا۔ میں مکہ مکرمہ تک تمام راستہ کے نشیب و فراز سے بھی آگاہ ہوں۔ تمہیں بحفاظت ساتھ لے جاؤں گا۔

سادھو کی باتیں سن کر ہم بہت خوش ہوئے کہ محرمِ راہ کی رفاقت حاصل ہو گئی۔ ہم تینوں چل پڑے سادھو آگے آگے تھا اور ہم دونوں اس کے نقشِ قدم پہ چلتے جا رہے تھے۔ تین چار میل کی مسافت طے کرنے کے بعد ہم ایک سنسان۔ مہیب اور تاریک جنگل میں داخل ہو گئے۔ خار دار جھاڑیوں اور بکھرے ہوئے کانٹوں کی وجہ سے چلنا محال ہو رہا تھا۔ جب ہم جنگل کے وسط میں پہنچے تو ہر طرف سے خونخوار جانور شیر، چیتے، سانپ اور بچھو وغیرہ اپنی طرف آتے دکھائی دیے ہم دونوں یہ منظر دیکھ کر سہم گئے ہمارے قدم چلنے سے خود بخود رک گئے۔ سادھو صاحب نے ہماری یہ ہیجانی کیفیت بھانپ لی۔ ہمیں مخاطب کر کے کہنے لگے، دیکھو میرا کام لوگوں کو گمراہ کرنا ہے سو تمہیں بھی غلط راہ پہ لے آیا ہوں۔ یہ راستہ مکہ مکرمہ تک نہیں جاتا۔ میں نے اپنا فرض منصبی ادا کر دیا اب تم جانو اور تمہارا کام۔

سادھو یہ الفاظ کہہ کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تلاش بسیار کے باوجود اس کا نشان تک نہ ملا۔ ہم دونوں نے درندوں کے خوف سے گاؤں کی طرف بھاگنا شروع کیا جب ہم گاؤں کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ اور ہر سو گہری تاریکی چھا گئی تھی۔

میرا ساتھی لال خان گھر چلا گیا۔ اور میں چند منٹ گاؤں کے باہر ہی رُکا رہا۔ تاریکی شب نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ بھی سجھائی نہیں دیتا تھا۔ مجھے اندھیرے میں خوف آنے لگا اور گھر جانے کے لئے قدم اُٹھایا ہی تھا کہ میرے قریب ایک سایہ آکر رُک گیا خوف کے مارے میں پسینے میں شرابور ہو گیا۔ آنے والے نے پوچھا کون ہو۔ میں نے کہا کرشن لعل ہوں۔ میں نے بھی آواز سے پہچان لیا کہ یہ میرا دوست اور ہم جماعت محمد صادق ولد صوبیدار خان زمان ساکن بوچھال کلاں ہے۔ میرے حواس بجا ہوئے تو میں نے پوچھا محمد صادق اس تاریک رات میں آپ کہاں ؟

"حج کرنے جا رہا ہوں" محمد صادق نے جواب دیا۔ میں نے کہا ارادہ تو میرا بھی تھا مگر اب اس اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آتا۔ لہٰذا میں صبح کے وقت روشنی میں اپنے سفر کا آغاز کروں گا۔ میری بات سن کر محمد صادق نے میری پیٹھ پہ ایک زور دار مُکہ جما دیا اور کہا۔ ارے بھئی! ابھی چلو۔ یہ اندھیرے، اسلام کی راہ میں پرکاہ جتنی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔

یہ ہمت افزا الفاظ سن کر میں بھی چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ ابھی ہم نے اندھیرے میں چند قدم ہی اُٹھائے ہوں گے کہ مغرب کی جانب آسمان پر ایک بہت بڑا چاند نمودار ہو گیا۔ جو چودھویں کے چاند سے پندرہ گنا بڑا ہو گا۔ چاند کی روشنی اس قدر تیز تھی کہ روئے زمین پر تاریکی کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اور ہزاروں میلوں تک زمین ہماری نظروں کے سامنے تھی۔ چاند کی تیز روشنی میں ہم نے مُبارک سفر کا آغاز کر دیا۔

خواب میں یوں محسوس ہوا کہ کچھ مسافت طے کرنے کے بعد ہم مکہ مکرمہ پہنچ گئے ہیں۔ جب حرم مقدس میں داخل ہوئے تو خانہ کعبہ نظروں کے سامنے تھا اور ہر طرف ریتلا میدان تھا ہم نے دیکھا کہ بے شمار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم صاف و شفاف سفید لباس میں ملبوس بیت اللہ کی طرف رُخ کئے بیٹھے ہیں اور سر در گریں۔ آقائے نامدار۔ سید مرسلین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کی دیوار سے پُشت مبارک لگائے صحابہ کرام کی طرف رُخ زیبا کئے تشریف فرما ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رکن یمانی اور حطیم کے کونے والی دیوار کے ساتھ جلوہ افروز تھے۔ ہم نے دور ہی سے آپؐ کو پہچان لیا۔ میں محمد صادق کے پیچھے پیچھے چلنے لگا کہ یہ مسلمان ہے لہٰذا پہلے آپؐ سے یہ

ملے۔ اس کے بعد میں ملاقات کی سعادت حاصل کروں گا ہم صحابہ کرامؓ کے درمیان سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ محمد صادق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کے لئے ہاتھ آگے بڑھائے۔ حضورؐ نے جلوس کی حالت ہی میں مصافحہ فرمایا۔

محمد صادق کے بعد میں بارگاہ عالی میں مصافحہ کے لئے حاضر ہوا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کھڑے ہوئے، اور مجھ جیسے غیر مسلم۔ حقیر اور ناقص انسان کو گلے لگانے کا شرف بخشا۔ میرے بدن کے ذرّے ذرّے میں مسرت کی لہریں دوڑ گئیں۔ مارے خوشی کے رونے کو جی چاہتا تھا۔ رحمۃ للعالمین اپنی جگہ پہ بیٹھ گئے اور مجھ جیسے ناکارہ کو بھی اپنے پاس بٹھالیا۔ فرمایا۔ کیسے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا۔ آپ کی خدمت میں مسلمان ہونے کے لئے حاضر ہوا ہوں میرے دائیں ہاتھ کو اپنے مقدس ہاتھوں میں لیا اور کچھ دیر پڑھنے کے بعد فرمایا کہ اب تم مسلمان ہو۔

آپؐ کا ارشاد سُن کر میں بہت خوش ہوا۔ کہ مجھے خود نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دولت سے بہرہ ور فرمایا ہے۔ میں کتنا خوش قسمت ہوں۔ عالم خواب ہی میں ہم نے کچھ وقت مکہ مکرمہ میں گزارا اور پھر اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔

صبح کے وقت جب بیدار ہوا تو رات کا سارا منظر آنکھوں کے سامنے تھا۔ اور میرا دل ایک انجانی مسرت کے باعث بلیوں اُچھل رہا تھا۔ ناشتہ کیا۔ بستہ لیا اور سکول چلا گیا۔ چھٹی کے بعد ریشم خان کو ساتھ لے کر مولانا عبد الرؤف صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ اور گزشتہ رات کا خواب بیان کیا۔ مولانا خواب سُن کر بہت مسرور ہوئے ان کا چہرہ گلاب کے پھول کی طرح کھل گیا۔ فرمایا۔ دیکھا دُعا کا اثر۔ اللہ تعالیٰ نے راہِ حق کا انکشاف کیلئے عمدہ طریق سے فرمایا ہے۔ لیکن فی الحال اس دعا کو ترک نہ کرو اور باقاعدگی سے ہر روز رات کے وقت دعا مانگ کر سویا کرو۔

گھر پہنچ کر کھانا کھایا۔ سکول کا کام کیا اور سونے سے پہلے وہی التجا ما اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش کی۔ طلوع سحر کا وقت ہوگا خواب میں کیا دیکھتا ہوں۔

نبی اکرمؐ کی دوبارہ زیارت

سکول میں چھٹی کی گھنٹی بج چکی ہے اور ہم میانی کے طلبہ سکول سے گھر کی جانب رواں دواں ہیں۔
ابھی ہم نے نصف راستہ ہی طے کیا ہوگا۔ ہم نے دیکھا کہ میانی کی جانب سے ایک دیو قامت شخص ہماری طرف بڑھتا چلا آرہا ہے جس نے صرف ایک لنگوٹی باندھ رکھی ہے۔ باقی تمام بدن برہنہ ہے۔ جسم کا رنگ کوے کی طرح سیاہ ہے۔ ماتھے پہ ایک بڑا سا سینگ ہے۔ اس کے بازو چودہ پندرہ فٹ طویل دکھائی دیتے تھے۔ باقی بدن کی طوالت کا آپ خود اندازہ کر لیں۔
جب وہ ہمارے قریب آگیا تو تمام طلبہ مارے خوف کے کانپنے لگے۔ میں نے کہا دوستو! یہ تو دجال ہے۔ قیامت آنے والی ہے اور یہ دجال علامات قیامت میں سے ایک علامت ہے دجال آپ سے پوچھے گا تم کس کے بندے ہو۔ آپ جواب میں کہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اتنے میں دجال ہمارے پاس پہنچ گیا۔ سب سے پہلے ہمارے ایک ہم جماعت غلام نبی کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کس کے بندے ہو؟ غلام نبی نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں" دجال نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اچھالا اور زمین پہ زور سے پٹخ دیا۔ غلام نبی کی روح گرتے ہی قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے بعد دجال نے اندر سین کوہلی ایک ہندو لڑکے سے وہی سوال کیا۔ اس نے کہا "میں تمہارا بندہ ہوں" دجال یہ جواب سن کر بہت خوش ہوا اور اسے کھانے کو بہت سی مٹھائی دی۔ میری یاد کے مطابق دیگر تمام لڑکوں نے دجال کی بندگی کو قبول کر لیا اور مٹھائی کھانے میں مشغول ہو گئے سب سے آخر میری باری آئی۔ دجال نے وہی سوال دہرایا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ "میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں" دجال نے جواب سنتے ہی مجھے اس قدر زوردار چپت رسید کی کہ میں دس پندرہ گز دور جا پڑا۔ میں اٹھ کر رونے لگا۔ دجال نے تحکمانہ لہجہ میں کہا ادھر آؤ۔
میں نے روتے روتے قدم اٹھایا ہی تھا کیا دیکھتا ہوں کہ سرکار دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہی جلوہ افروز ہیں۔ (یہ جگہ لوچھال کلاں اور میانی کے درمیان واقع ہے۔ جب کبھی وہاں سے گزرتا ہوں۔ تو احتراماً سائیکل سے اتر کر درود شریف پڑھ کر اور دعا مانگ کر

آگے جاتا ہوں)

نبیٔ رحمت نے فرمایا میرے پاس آؤ۔ میں آپؐ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوگیا۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں نے کل تو آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو خانہ کعبہ میں دیکھا تھا۔ آپ یہاں کیسے تشریف لے آئے ہیں۔ آج کی رات میں نے رحمۃ للعالمین کو بڑی واضح صورت میں دیکھا۔ آپ نے سفید لباس زیب تن فرما رکھا تھا اور اوپر سفید چادر لپیٹی ہوئی تھی۔ سر پہ عمامہ بھی سفید رنگ کا تھا۔ آپ کی ریش مبارک مشت بھر تھی۔ جس میں اکثر بال سیاہ تھے اور کچھ سفید مفید بالوں پر رنگ حنا تھا۔ آپؐ کا لباس سادہ اور انتہائی صاف تھا۔ آپ کے مقدس ہاتھ میں خاکستری رنگ کی تسبیح دکھائی دے رہی تھی۔ آپ کعبۃ اللہ کی جانب رُخ کئے کچھ پڑھ رہے تھے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیٹھ گیا۔ دیکھو بیٹا! میں اتنی دور سے صرف تمہاری مدد کے لئے آیا ہوں۔ اب رونا ختم کرو۔ ساتھ ہی ساتھ اپنا دستِ شفقت میری پشت پر پھیر رہے تھے۔ جس طرح ایک مشفق باپ بچے کو چپ کرانے اور ہمت بندھانے کیلئے اپنا ہاتھ پھیرتا ہے۔ فرمایا۔ " دجال کی بات ہرگز تسلیم نہ کرنا۔ اب یہ تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا۔ یہ دنیوی آرام و آسائش آخرت کے انعام واکرام کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اگر تم اس آزمائش میں ثابت قدم رہے تو آخرت میں انعامات وافرہ سے نوازے جاؤ گے۔ دجال کی بات پر توجہ نہ دینا میں تمہارے لئے دعا کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائیں گے اور تمہیں ناکامی کا منہ نہیں دیکھنا پڑے گا۔"

یہ تھے نبیٔ دوسرا رحمۃ للعالمین کے پُر شفقت الفاظ جو میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں پیوست ہوگئے، آپؐ کی شفقت کی بنا پر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی کہ مجھ جیسے ناکارہ انسان کے لئے نبیٔ رحمت نے اس قدر دور دراز سفر کی تکلیف گوارا فرمائی میرا حوصلہ بلند ہو چکا تھا۔ اور میں دجال کی بات سے انکار کرنے کے لئے بالکل تیار تھا۔

قارئین کرام! انسان کو اپنے اعمالِ نیک و بد کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ میں بھی اپنی بداعمالیوں سے پورے طور پر آگاہ ہوں۔ مجھے علم ہے کہ اعمالِ حسنہ سے تہی دامن ہوں۔ لیکن میرے دامن میں ایک مقدس چیز بھی موجود ہے، یہی چیز بروز قیامت انشاءاللہ میری نجات

کا باعث ہو گی۔ یہی میری عزیز ترین متاعِ حیات ہے۔ اور یہ آپؐ کے مقدس ارشادات ہیں میں ان پر بجا طور پہ فخر کرتا ہوں کہ میں وہ خوش قسمت و صاحبِ سعادت انسان ہوں جس کیلئے سید دو عالم نے کامیابی کی دُعا فرمائی۔ انشاء اللہ کسی معاملہ میں مجھے ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعائے طیبہ کا اثر میں اپنی زندگی میں نمایاں طور پہ دیکھ رہا ہوں۔ الحمد للہ کسی معاملہ میں آج تک مجھے ناکامی نہیں ہوئی۔ زندگی کے ہر موڑ پہ مسرتیں اور کامرانیاں مجھ سے ہمکنار ہونے کے لئے موجود ہوتی ہیں۔ سید عالم کی دعا سے میں طمانیت و سکون کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ آیندہ زندگی میں اس دعا کے اثرات سے آپ کو بھی آگاہ کروں گا۔

دجال نے مجھے دوبارہ آواز دی۔ میں نے اس کے پاس پہنچ کر دیکھا کہ اس کی بات کو تسلیم کرنے والے لڑکے انواع و اقسام کی مزیدار اشیاء کھا رہے ہیں۔ لڑکے مجھے کہنے لگے اگر تم بھی اس کی اطاعت کر لو تو ہماری طرح مزے اڑاؤ۔ میں نے کہا۔ دوستو! یہ دنیوی نعمتیں چند روزہ اور زوال پذیر ہیں۔ میں انشاء اللہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ انعامات حاصل کروں گا مگر تمہارے لئے کوئی سکون نہ ہو گا۔

دجال یہ الفاظ سن کر غضبناک ہو گیا۔ مارنے کو ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ ڈر کے مارے میری آنکھ کھل گئی۔ بیم و خوف کی عجیب سی کیفیت مجھ پہ محیط تھی مگر جب احساس ہوا کہ خواب تھا تو خوف جاتا رہا۔ اور لیٹے لیٹے خواب کو دہرانا شروع کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کی شیرینی دل و دماغ میں رس گھول رہی تھی۔

مولانا عبدالرؤف صاحب کی خدمت میں

ناشتہ کر کے سکول کی راہ لی
چھٹی پر ریشم خان کے ساتھ
مولانا عبدالرؤف صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور رات کا خواب سنایا۔ مولانا نے فرمایا۔ دیکھو عزیز کرشن لعل اب میرے خیال کے مطابق مزید کسی تشریح و توضیح کی حاجت نہیں۔ اللہ رب العزت نے تمہاری دعاؤں کو قبول فرمایا اور صراط مستقیم کا انکشاف واضح طور پہ فرما دیا اور یہ سیدھا راستہ صرف اور صرف اسلام ہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سب سے بڑا

شرف ہے۔ اور تم دو بار اس شرف سے بہرہ ور ہو چکے ہو۔ اب تمہارے لئے التواء و تاخیر مناسب نہیں زندگی کا کیا بھروسہ۔ دوسرے خواب سے پتہ چلتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد تمہیں آزمائش کے مراحل سے گزرنا پڑے گا لیکن آقائے مدنی کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

مناسب ہے کہ تم آج ہی اسلام قبول کر لو۔ میں نے عرض کیا۔ میں ایک دو دن میں حتمی فیصلہ کر لوں گا اور دو تین روز میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔ مولانا سے اجازت لے کر ہم سکول واپس آئے اور گھر کی راہ لی۔

میرے ارادے کی اہل خانہ کو اطلاع

دوسرے دن سکول آ رہے تھے کہ میں نے ایک مسلمان لڑکے کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ اس نے دوسرے ہندو لڑکوں کو بتا دیا۔ بات میرے گھر تک پہنچ گئی۔ والد صاحب بسلسلۂ ملازمت کشمیر میں تھے۔ گھر پر دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ تھیں۔ دونوں نے لعن طعن شروع کر دی میں نے اس خبر کی صداقت سے انکار کیا۔ رات کے وقت دادی صاحبہ نے گاؤں کے معزز ہندو حضرات کو اکٹھا کیا تمام بات انھیں بتائی اور مشورہ طلب کیا۔ معززین نے کہا۔ بہتر ہے کہ اُسے سکول نہ جانے دیا جائے۔ اور کشمیر میں والد صاحب کے پاس داخل کرا دیا جائے۔ پھر مجھے مخاطب ہو کر کہنے لگے تم کس حماقت میں مبتلا ہو گئے ہو۔ بھلا اسلام بھی کوئی مذہب ہے جس کے ماننے والوں پر غربت و افلاس محیط ہے وہ ہم سے قرض لے کر زندگی گزارتے ہیں۔ اور کونسی ایسی بُرائی ہے جو مسلمانوں میں نہیں پائی جاتی۔ ہمارا دھرم تو کتنا پاک۔ صاف اور پوتر دھرم ہے۔ تم نفاست کو چھوڑ کر غلاظت کے گڑھے میں گرنا چاہتے ہو۔

میں نے جواب میں کہا کہ ہندو بچوں نے محض شرارت کے لئے یہ افواہ اڑائی ہے جس میں صداقت کا شائبہ تک نہیں۔ دادی صاحبہ بڑی بہادر اور دلیر تھیں خاندان کا ہر فرد ان سے خائف رہتا۔ فرمانے لگیں اگر تم نے ایسی حرکت کی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ میں نے کہا دادی صاحبہ! آپ بے فکر رہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ الغرض میں نے دروغ مصلحت آمیز سے اپنی جان چھڑائی اور وہ حضرات کافی رات گئے گھروں کو واپس ہو گئے۔

صبح سویرے سکول جانے لگا تو والدہ صاحبہ نے روتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا! کوئی غلطی نہ کر بیٹھنا۔ ورنہ ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ تمام خاندان اور علاقے میں ہم ذلیل ہو جائیں گے میں نے کہا امی جان! آپ فکر نہ کریں میں کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ والدہ صاحبہ مطمئن ہوگئیں اور میں سکول چلا گیا۔ دو روز بعد میں مولانا عبدالرؤف صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا جناب آج تو میں گھر جاؤں گا۔ صبح آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔

مولانا نے فرمایا آج ہی یہاں رہ جاؤ۔ میں نے عرض کیا ابھی تو مجھے اپنی والدہ اور بھائیوں کو آخری بار الوداع کہنا ہے۔ پھر شاید زندگی میں انھیں نہ مل سکوں۔ مولانا رضا مند ہو گئے فرمایا بہتر ہے۔ صبح جمعہ کا مبارک دن ہے اور ۱۳۵۷ھ سن ہجری کا آغاز ہو رہا ہے۔ مولانا سے صبح کا وعدہ کر کے گھر لوٹ آیا۔

مولانا عبدالرؤف صاحب

مولانا عبدالرؤف صاحب صالح اور متقی شخص ہیں مولانا حسین علی رحمہ اللہ کے مریدین میں سے ہیں۔ مولانا حسین علی صاحب مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے عزیز تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا عبدالرؤف صاحب مسلک کے لحاظ سے دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ مولانا موصوف اب بھی شب و روز خدمت اسلام میں مصروف ہیں۔

والدہ اور بھائیوں سے الوداع

بروز جمعۃ المبارک یکم محرم الحرام ۱۳۵۷ھ مطابق چار مارچ ۱۹۳۸ء صبح سویرے حسب معمول نیند سے بیدار ہوا لیکن آج خلاف معمول دل کی دھڑکنیں شدت اختیار کر چکی تھیں دل تھا کہ ڈوبا جا رہا تھا۔ معلوم نہیں کیوں۔ والدہ صاحبہ صبح کا ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ ماں کا پکایا ہوا ناشتہ آج میرا آخری ناشتہ ہے۔ پھر شاید زندگی بھر یہ ممتا بھرا ناشتہ نصیب نہ ہو۔ کھانے کے دوران بہانے بہانے والدہ ماجدہ کے پاؤں کو چھو لیا۔ فرمایا کیا کر رہے ہو۔ عرض کیا یہاں میری پنسل تھی۔ ماں کے مقدس پاؤں کو۔ جن کے تلے جنت ہے۔ ہاتھ لگا کر دل کی دھڑکن میں قدرے کمی کا احساس ہوا۔ خاموش زبان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی۔

میری پیاری ماں! شاید آپ کی اپنے بیٹے سے یہ آخری ملاقات ہو۔ شاید آپ کے پاؤں چھونے کا زریں موقع پھر میسر نہ آئے، مجھے معاف کر دینا۔ میں آپ کی جس پریشانی کا باعث بننے والا ہوں اس کی بھی پیشگی معافی کا خواستگار ہوں۔ آنسوؤں کا سیلاب امڈ آنے کے لئے بے تاب تھا، ضبط کے بند ٹوٹتے جا رہے تھے۔ بڑی مشکل سے جذبات پہ قابو پایا۔ مبادا عفو کے یہ آنسو کہیں قلبی عزائم کی غمازی نہ کر دیں۔

بہانے بہانے سے تینوں بھائیوں موہن لال۔ ارجن داس اور پریم داس کے سروں پہ ہاتھ پھیر لیا اور خاموشی سے الوداعی جملے کہے میرے پیارے بھائیو! تم میری ماں کے بیٹے ہو۔ مجھے تم سے شدید محبت ہے۔ لیکن میں ہمیشہ کے لئے تم سے جدا ہو رہا ہوں۔ شاید پھر تم اور ہم مل کر نہ رہ سکیں تمہاری جدائی کا داغ ہمیشہ میرے دل میں رہے گا۔ میری زیادتیاں معاف کر دینا۔ ہمیشہ میرے دل میں تمہاری یاد رہے گی۔ اُف بے صبر آنسو گوشۂ چشم سے میرا بھانڈا پھوڑنے کے لئے بہہ نکلے ۔

مجھے تو ناز تھا ضبط غم درد محبت پہ — یہ آنسو آج کیوں بے تاب ہو کر نکلتے ہیں

والدہ مکرمہ نے دیکھ لیا۔ فرمایا۔ ارے تم تو رو رہے ہو۔ میں نے کہا دھوئیں کی وجہ سے آنکھوں میں پانی آگیا ہے۔ سادہ دل اور پاکباز ماں بیٹے کی باتوں میں آگئی اور خاموش ہو گئی۔

گھر سے الوداع

میں نے ماں اور بھائیوں کو بزبان خاموشی الوداع کر کے بستہ اٹھایا۔ امی جان سے سکول کی فیس لی اور سکول جانے کیلئے تیار ہو گیا وسط صحن میں پہنچ کر گھر پہ ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور کہا۔ اے میرے پیارے گھر! میں نے اپنی زندگی کی چودہ بہاریں تیرے سائے تلے گزاری ہیں مجھے تیرے ذرّے ذرّے سے اُنس اور لگاؤ ہے۔ آج میں تجھے الوداع کہہ کر ہمیشہ کے لئے جا رہا ہوں شاید پھر عمر بھر تیرے سائے میں وقت گزارنے کا موقعہ ہاتھ نہ آئے۔ میں مجبوراً تجھے چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تجھے بھی میرا آخری سلام ہو۔

ان جذبات کے سیلاب کو سینے میں دبائے گھر سے نکل کھڑا ہوا جب والدہ صاحبہ کی پُرشفقت نگاہ پل

سے اوجھل ہوگیا تو صبر وتحمل کے تمام بند ٹوٹ گئے۔ میں ایک حقیر سے تنکے کی طرح جذبات واحساسات کی رو میں بہتا جا رہا تھا۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے تھے۔ بڑی دقت سے گاؤں کو عبور کیا۔ راستے میں ایک مسلمان عورت نے روتا دیکھ کر کہا۔ آج تمہیں والدہ نے مارا ہے نا! میں نے دل میں کہا والدہ نے نہیں والدہ کی شفقت نے مارا ہے۔

راستے میں جی بھر کر رویا۔ والدہ ماجدہ اور بھائیوں کی صورتیں آنکھوں کے سامنے گردش کر رہی تھیں۔ والدہ اور بھائیوں کے آئندہ بہنے والے آنسو مجھے نظر آرہے تھے۔ دور تک میں بھی اُن کے فراق میں روتا چلا گیا۔ آپ شاید مجھے بزدل تصور کریں۔ لیکن میں کیا کرتا دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ بھلا اس کم سنی۔ ناتجربہ کاری اور بچپنے میں ماں باپ کو چھوڑ دینا آسان ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ شفقت کشاں کشاں لئے جا رہا تھا۔ میں نے انجام سے بے خبر ہوکر آنکھیں بند کرلیں تھیں۔ اور اب یہ سطور تحریر کرتے ہوئے بھی آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ رہا ہے کیونکہ قلم پُرانے زخموں کو پھر کرید رہا ہے۔

قریش مکہ کو بھی رحمۃ للعالمین کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کیلئے ایک ہی اعتراض ہاتھ لگا تھا

جدا بھائی ہو جائیں گے بھائیوں سے کلام ان کا گر سُن کے جایا کریں گے

الحمدللہ میں بھی آپ کی شفقت سے فیضیاب ہو چکا تھا۔ آپ کے قدموں میں حاضری دینے کے لئے ہزاروں ماؤں اور لاکھوں بھائیوں کو قربان کیا جاسکتا ہے۔ یہ تو ایک ماں اور تین بھائیوں کا فراق تھا۔

مولانا کے درِ دولت پر

سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ سکول جانے کی بجائے میں بستہ لئے سیدھا مولانا موصوف کے درِ دولت پر پہنچ گیا۔ مولانا نے فوراً گاؤں کے چیدہ چیدہ اور صاحب اثر افراد کو بلایا۔ اور تمام حالات سے انھیں مطلع کیا نیز بتایا کہ علاقے میں ہندو معاشی طور پر بلند حیثیت کے مالک ہیں وہ عدالت میں مقدمہ بھی دائر کریں گے۔ کیا یہ سارے بوجھ برداشت کرلو گے؟ معززین نے کہا۔ حضرت! اس کارِ خیر کے لئے

ہماری جان کی قربانی بھی درکار ہوئی تو ہم دریغ نہیں کریں گے۔ البتہ اتنی بات ہے کہ یہ عزیز کم عمر لڑکا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہفتہ عشرہ کے بعد اسے والدین کی یاد ستائے تو پھر گھر لوٹ جائے۔ دریں صورت ہماری عزت خاک میں مل جائے گی۔ مولانا نے اُنھیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ دنیا بدل سکتی ہے مگر عزیز اپنا فیصلہ نہیں بدلے گا۔ کیونکہ جو ذاتِ اقدس اسے اسلام کی طرف لا رہی ہے اس کے لائے ہوئے لوگ جان پر کھیل تو سکتے ہیں مگر جادۂ حق سے روگردانی نہیں کر سکتے

پولیس کی چوکی

کچھ لوگوں نے مولانا کو مشورہ دیا کہ پولیس چوکی پہ جا کر اے ایس آئی۔ کو ان حالات سے مطلع کر دیا جائے۔ ملک امیر محمد خان صاحب ضلع میانوالی اس وقت اے ایس آئی تھے۔ میں چوکی تک ساتھ گیا ملک صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اگر اس بچے کے لئے مجھے سر دھڑ کی قربانی بھی دینا پڑی تو حاضر ہوں۔

میں نے بارہ بجے مولانا صاحب کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ مولانا نے غسل کرنے کو کہا اور پاکیزہ لباس پہننے کو دیا۔ ازاں بعد نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے جامع مسجد کی طرف چل پڑے۔ تمام بوچھال کلاں میں میرے اسلام لانے کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ اور نماز کے وقت سے پہلے ہی مسجد کھچا کھچ بھر چکی تھی۔ عورتیں مکانوں کی چھتوں پہ بیٹھی مسجد کی طرف تقدس بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

قبولِ اسلام

مولانا عبدالرؤف صاحب اور میں جب مسجد میں داخل ہوئے تو تمام لوگ مجھے دیکھنے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ نماز جمعہ سے پہلے مولانا نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کلمہ شہادت کہلوانا شروع کیا اور میں ساتھ ساتھ کہتا گیا۔ فرمایا الحمدللہ اب تم مسلمان ہو۔ میری طرف سے مُبارک ہو۔ ہر طرف سے مبارک مُبارک کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ مولانا منبر پہ تشریف لے گئے اور فرمایا آج میں اس بچے کے لئے کلمۂ شہادت کی تشریح کروں گا۔ اسلام وحدانیت کا درس دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے وحدہ' لاشریک ہیں۔ وہی ذات نفع۔ نقصان

حاجت روائی، مشکل کشائی اور سپید وسیاہ کی مالک ہے اس کی ذات ہی دانائے ہمہ امور۔ عالم الغیب اور حاضر وناظر ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے تصرف میں ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے آخری رسول ہیں۔ توحید الٰہی کا یہ پیغام حضور کے توسط وتوسل ہی سے ہم تک پہنچا۔ مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی زندگی خدا اور رسول کی رضا کے مطابق بسر کرے۔

پہلی نماز

کچھ دیر تقریر کرنے کے بعد مولانا نے خطبہ پڑھا۔ اور لوگ نماز کی ادائیگی کے لئے صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ مولانا نے مجھے بتا دیا تھا۔ کہ تم بھی صف میں کھڑے ہو جانا اور ہماری طرح رکوع وسجود کرتے رہنا۔ اور اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رکھنا۔ میں مولانا کے پیچھے صف میں کھڑا ہو گیا اور نمازیوں کی معیت میں رکوع وسجود کرتا رہا۔

یہ تھی میری پہلی نماز جو میں نے کچھ پڑھے بغیر ادا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس ننھے مسافر کی بے عبارت نماز کو قبول فرما لیا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ تو دلوں کو دیکھتے ہیں۔ نماز سے فراغت کے بعد ملاقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ہر شخص معانقہ کر رہا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک یہ سلسلہ جاری رہا ہم سب مولانا کے گھر کی طرف چل پڑے۔ لوگوں کا جم غفیر ساتھ تھا۔ نماز عشار تک ملاقات کا تواتر قائم رہا۔ مولانا صاحب نے چند معززین سے فرمایا۔ کہ کھانے سے فارغ ہو کر دوبارہ یہیں آجائیں کچھ ضروری مشورہ کرنا ہے۔ آپ نے ایک دوست کو سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کو بلانے کیلئے روانہ کیا۔ ملک محمد طفیل۔ بی اے، ایل۔ ایل بی، بی، ٹی ہیڈ ماسٹر تھے۔ بڑے مخلص اور شفیق انسان تھے۔ قانونی موشگافیوں سے واقف۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اور بہت سے دوسرے لوگ آگئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے گلے لگا کر مبارک دی۔ اور دیر تک پیار کرتے رہے۔

باہمی مشورت کے بعد اتفاق رائے سے طے کیا گیا کہ ابھی رات کو یہاں سے پیدل چل کر راتوں رات للہ ریلوے سٹیشن پر پہنچ جانا چاہیئے۔ تاکہ صبح کی گاڑی سے پنڈ دادنخان کی عدالت میں بر وقت درخواست دی جا سکے۔ اور ایس ڈی او صاحب کی عدالت میں بیان قلمبند کرائے جا سکیں۔

پنڈ دادنخان روانگی

مولانا موصوف۔ احمد خان آجڑی اور میں رات کے وقت ہی للہ جانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ تقریباً آٹھ دس میل کا سفر طے

کرنا تھا۔ شب بیداری اور تھکن کی وجہ سے مجھے ہلکا ہلکا بخار ہونے لگا۔ دونوں حضرات کی دلجوئی اور ہمت افزائی سے یہ سفر بخیر و خوبی طے ہوگیا۔ علی الصبح للہ سے بذریعہ گاڑی پنڈ دادنخان پہنچ گئے۔ عدالتیں کھل چکی تھیں۔

ہم نے ایس۔ ڈی۔ او صاحب کی عدالت میں پہنچ کر وکیل کیا اور درخواست لکھوائی کہ میں مسمی غازی احمد (نام کے متعلق تفصیل آئندہ سطور میں پیش کروں گا) عاقل بالغ ہوں۔ میں نے برضا و رغبت خود اسلام قبول کیا ہے۔ میرے اسلام لانے میں کسی کا ہاتھ نہیں۔ کسی نے نہ تو مجھے لالچ دیا ہے اور نہ کسی نے ڈرایا دھمکایا ہے میں کورٹ میں بیان دینے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔

عدالت میں

درخواست دینے کے گھنٹہ بعد میری طلبی ہوئی۔ مولانا موصوف اور وکیل صاحب ساتھ تھے۔ ایس۔ڈی۔او صاحب نے میرا نام دریافت کیا پھر سابقہ نام پوچھا اسلام لانے کی وجہ دریافت کی۔ میں درخواست کے مضمون کے مطابق جواب دیتا رہا۔ پھر کلمہ سنانے کو کہا میں نے جب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر سنایا تو موصوف نے مسکراتے ہوئے WELL WELL, VERY GOOD کہا۔ اور تھوڑی دیر بعد ہمیں فارغ کر دیا۔ مولانا نے بیانات کی مصدقہ نقل حاصل کر لی۔ رات للہ بسر کی اور صبح روانہ ہو کر بوچھال کلاں پہنچ گئے

میرا نام

نام کے متعلق عرض کرتا جاؤں۔ والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ ہم نے تمہارا نام تارا چند تجویز کیا تھا لیکن ایک پنڈت صاحب کے کہنے پر کرشن لعل رکھا گیا۔ اسلام قبول کرنے پر مولانا نے شفیق الرحمٰن نام تجویز کیا۔ مگر مجھے "غازی احمدؐ" نام پسند تھا۔ میں نے مولانا سے گزارش کی کہ میں اپنا نام غازی احمدؐ رکھنا چاہتا ہوں۔ مولانا نے قبول کر لیا اور مجھے غازی احمد کے نام سے پکارا جانے لگا۔

میرے گھر کی کیفیت

اب تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ فرمایئے۔ جس دن میں نے اسلام قبول کیا والدہ صاحبہ اور دادی صاحبہ کو بارہ بجے کے قریب اطلاع مل گئی۔ ہمارے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ تمام رشتہ داروں نے رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ والد صاحب اور دیگر رشتہ داروں کو بذریعہ ٹیلیگرام مطلع کر دیا گیا۔ والد صاحب

کو اطلاع دی گئی کہ بوچھال کے مسلمانوں نے کرشن لعل کو جبراً مسلمان بنالیا ہے۔ اور اب وہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ علاقہ کے ہندو حضرات اظہارِ افسوس کے لئے ہمارے گھر آنے لگے۔ انہوں نے دادی صاحبہ کو مقدمہ کرنے کے لئے کہا۔ لیکن دادی صاحبہ نے تمام امور والد صاحب کے آنے تک ملتوی کر دیے۔

والدہ سے پہلی ملاقات

۹ رمارچ کو میں سائیکل پر سوار ہو کر صوبیدار خان زمان صاحب کے کنوئیں پر غسل کرنے آیا۔ صوبیدار صاحب کا باغ بوچھال اور میانی کے وسط میں واقع ہے۔ کسی طرح میری آمد کا والدہ مکرمہ کو پتہ چل گیا۔ والدہ مکرمہ میری خالہ کی معیت میں کنوئیں پر تشریف لے آئیں۔ مجھے دیکھتے ہی زار و قطار رونے لگیں اور پاس آکر گلے لگالیا۔ کنوئیں پر مسلمان عورتیں پانی بھر رہی تھیں والدہ کو روتا دیکھ کر اُن کا دل بھی بھر آیا۔

والدہ مکرمہ نے روتے ہوئے فرمایا بیٹا! تو نے تو ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔ تو نے ہمارے خاندان کی عزت خاک میں ملادی۔ تمہیں مسلمان بن کر کیا حاصل ہوا۔ اب تو تمہارے بھائی بھی خطرے میں ہیں۔ والدہ نے میرا بازو پکڑ لیا۔ اور کہا چلو بیٹا گھر چلیں۔ میں نے کہا امی جان میں اب بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں۔ تبدیلیٔ مذہب سے ماں بیٹے کا رشتہ ٹوٹ تو نہیں جاتا۔ بلکہ اسلام تو ماں باپ کی خدمت بجالانے کا حکم دیتا ہے میں ہر وقت آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔

والدہ صاحبہ نے فرمایا میرے ساتھ گھر چلو تمہارے بھائی چار پانچ روز سے رو رہے ہیں اور تمہارے لئے بہت پریشان ہیں۔ امی جان میں چند روز بعد خود حاضر ہو جاؤں گا۔ اب آپ اپنے گھر تشریف لے جائیں میں کسی دن خود آپ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔

والدہ ماجدہ نے بتایا کہ دو تین روز تک تمہارے والد صاحب بھی تشریف لے آئیں گے تمہارے دیگر رشتہ دار کرنل نانک چند اور تمہارے خالو دیال چند وغیرہ پہنچ چکے ہیں۔

ملاقات کے بعد

والدہ صاحبہ روتے دھوتے گھر تشریف لے گئیں اور میں بوچھال روانہ ہوا۔ ماں کے سامنے تو میں نے بڑے ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا۔ مگر واپسی پر راستے میں جی بھر کر غبارِ خاطر نکالا۔ ماں کی محبت اور شفقت کا احساس جدا ہونے

کے بعد ہوا۔ روتے روتے دل و دماغ کی حالت غیر ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے استقامت عطا فرمائی میرے حواس بجا ہوئے تو میں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں التجا کی۔ میرے اللہ! مجھے صبر و سکون عطا فرمائیں۔ ایسا نہ ہو کہ میرے پائے ثبات میں لغزش آ جائے اور صراط مستقیم سے ڈگمگا جاؤں۔ الحمد اللہ میرے رب نے میرے دل کو سکون عطا فرما دیا۔

سکول میں حاضری

میں نے اب سکول جانا شروع کر دیا۔ تمام اساتذہ کرام مسلمان تھے۔ ہر استاد نے اپنے بچوں کی طرح میرے ساتھ محبت و مودت کا اظہار کیا۔ تمام مسلمان طلبہ نے شوق سے میرے ساتھ ہاتھ ملایا البتہ ہندو طلبہ الگ الگ اور کھچے کھچے رہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کو میرے ساتھ والہانہ لگاؤ پیدا ہو گیا۔ میں اس تبدیلی سے بہت خوش تھا۔

میں نے تین چار دنوں میں پوری نماز یاد کر لی ہر نماز بڑی مسرت اور پورے انہماک سے ادا کرنے لگا، ہفتہ عشرہ خاموشی سے گزر گیا اور کوئی خاص واقعہ رونما نہ ہوا۔ البتہ علاقے کے مسلمان حضرات ہر روز ملاقات کے لئے تشریف لے آتے۔

۱۹ مارچ ۱۹۴۸ء کو میرے خالو دیال چند صاحب۔ جو کلکٹہ آفس راولپنڈی میں ایک اعلیٰ عہدہ پہ فائز تھے۔ اور دادی صاحبہ پولیس سٹیشن کلر کہار میں سب انسپکٹر پولیس کے پاس رپورٹ درج کرانے گئے۔ کہ ہمارے عزیز کو بوچھال کلاں کے مسلمانوں نے ڈرا دھمکا کر جبرًا مسلمان بنا لیا ہے۔ اب مسلمانوں نے اُسے زبردستی اپنے قبضہ میں رکھا ہوا ہے۔ ہمارا لڑکا ابھی نابالغ ہے۔ آپ بوچھال کلاں آ کر ہمارا لڑکا ہمیں واپس دلا دیں۔ ہمیں بچے کی جان کا خطرہ ہے میرے رشتہ داروں کو ایس آئی صاحب نے ہدایت کی کہ تین بجے بوچھال کلاں پولیس چوکی پہ پہنچ جائیں۔ میں بھی پولیس کی جمعیت لے کر آ جاؤں گا۔

پولیس چوکی پہ

۱۹ مارچ کو ہم مسجد میں ظہر کی نماز ادا کر رہے تھے کہ پولیس کا ایک سپاہی مولانا کو اور مجھے بلانے آیا۔ نماز سے فارغ ہو کر تمام نمازی بھی میرے ساتھ ہو لیے۔ پولیس چوکی پہ جا کر دیکھا تو میرے بہت سے رشتہ دار وہاں پہلے ہی موجود تھے۔ البتہ والد صاحب نظر نہ آئے۔ وہ ابھی گھر تشریف نہیں لائے تھے۔

مولانا اور میں ایک چارپائی پر بیٹھ گئے دوسرے مسلمان حضرات ہمارے اردگرد کھڑے ہو گئے دادی صاحبہ مجھے دیکھتے ہی زور زور سے رونے لگیں۔ اُٹھ کر میرے پاس آگئیں اور غصے میں کہا۔ بے حیا تو نے یہ کیا کرتوت کیا، اپنے پوتر دھرم کو بھرشٹ کر دیا۔ شرم کرو اور میرے ساتھ گھر چلو تمہاری اس غلطی پر تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا، ڈرنے کی کوئی بات نہیں تھانیدار صاحب موجود ہیں یہ تمہیں گھر تک بحفاظت لے جائیں گے۔ جس مسلمان نے تجھے ڈرایا دھمکایا ہے اس کا نام تھانیدار صاحب کو بتا دو۔

سب انسپکٹر صاحب نے پوچھا، تم نے کیوں اسلام قبول کیا؟

" جناب اسلام کی حقانیت اور صداقت نے مجھے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا " میں نے جواباً کہا۔

ایس آئی صاحب۔ " تمہیں کس نے اسلام لانے کی ترغیب دی۔"

میں نے کہا " جناب میں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا ہے۔ اس معاملہ میں کسی دوسرے کا ہاتھ نہیں ہے۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

ایس۔ آئی صاحب! " آخر ماں باپ کو چھوڑ دینے اور مذہب کے تبدیل کرنے کی وجہ کیا ہے؟"

میں نے جواب میں کہا۔ " میں نے خود چند اسلامی کتب کا مطالعہ کیا ہے جن سے اسلام کی صداقت مجھ پر منکشف ہو گئی۔ اسلام نے جس وحدانیت کا علم بلند کیا ہے۔ وہ روح دوسرے مذاہب میں مفقود ہے۔ اسلام انسانیت کی تکمیل کا دوسرا نام ہے۔ اس دین میں ایسی کشش پائی جاتی ہے کہ لوگ خود بخود اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔"

ایس آئی صاحب۔ اگر کسی مسلمان شخص نے یا مولوی عبدالرؤف صاحب نے تمہیں ڈرا دھمکا کر مسلمان بنایا ہے۔ تو مجھے بتا دیں۔ میں اس کے خلاف قانونی کارروائی کروں گا۔ تمہارے رشتہ داروں کا کہنا ہے کہ ابھی تم نابالغ ہو۔ تم اپنی مرضی سے اتنا بڑا فیصلہ کرنے کے اہل نہیں ہو"

جناب! میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میرے اسلام لانے میں کسی ترغیب و تحریص اور کسی ترہیب و تہدید کا کوئی دخل نہیں۔ میں نے سوچ سمجھ کر اور اپنی رضا و رغبت سے

یہ فیصلہ کیا ہے۔ میرے رشتہ دار چونکہ اس حقیقت سے نابلد ہیں اس لئے اس قسم کے الزامات عاید کر رہے ہیں۔

سب انسپکٹر صاحب میرے خالو کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ بتایئے اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ تمہارے لڑکے کے بیانات تمہاری رپورٹ کے خلاف ہیں۔ میں تو بچے کے بیانات کی روشنی میں ہی کوئی قدم اُٹھا سکتا ہوں۔ آپ نے بھی تمام بیانات بنفس نفیس سن لئے ہیں اس اثناء میں مولانا عبدالرؤف صاحب نے پنڈ دادنخان والی عدالتی نقل بھی پیش کر دی۔ سب انسپکٹر صاحب نے وہ تحریر پڑھ کر میرے رشتہ داروں کو سنا دی۔ اور کہا ان حالات کی روشنی میں میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

دیال چند صاحب نے سب انسپکٹر صاحب سے گزارش کی۔ اگر اجازت ہو تو میں بچے کے ساتھ تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ سب انسپکٹر صاحب نے فرمایا آپ بخوشی ایسا کر سکتے ہیں۔ خالو صاحب نے مجھے وہاں سے اُٹھا لیا اور پولیس چوکی کی پچھلی جانب لے گئے۔

خالو صاحب کی ترغیب

فرمانے لگے۔ عزیز کرشن لعل! آپ کو معلوم ہے کہ میں راولپنڈی میں بہت بڑا افسر ہوں۔ پولیس میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ آپ کو کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کو اپنے ساتھ راولپنڈی لے جاؤں گا۔ اور وہاں اچھے سکول میں تمہیں داخل کرا دوں گا۔ میں نے وہاں تمہارے لئے موٹر کار بھی خرید لی ہے۔ اور ایک امیر گھرانے میں تمہارے رشتے کی بات بھی طے کر لی ہے۔ بھگوان کے لئے تم میری بات مان لو اور سب انسپکٹر صاحب کے سامنے کہہ دو کہ میں خالو کے ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ خالو صاحب نے ترغیب و تحریص میں کوئی کسر نہ چھوڑی میں خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا میری خاموشی کو شاید انھوں نے رضا پر محمول کیا۔ فرمانے لگے آؤ تھانیدار صاحب کے سامنے میرے ساتھ چلنے پر رضا مندی کا اظہار کر دو۔

میں نے عرض کیا خالو صاحب! میں نے آپ کی ہر بات کو غور سے سُنا ہے اور میں نے ہر بات کو سمجھا بھی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے مقابلے میں یہ عیش و عشرت اور یہ چند روزہ لذائذ کوئی حیثیت نہیں رکھتے میں ایمان جیسی بیش بہا دولت کو چھوڑ کر

عارضی اشیاء کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

میرے جواب سے خالو صاحب کا چہرہ مرجھا سا گیا اور خاموش ہو گئے۔ اُدھر دو تین سو مسلمان چوکی پہ جمع ہو چکے تھے۔ اُنھیں بھی خدشہ لاحق ہوا۔ کہ غازی احمد بچہ ہے کہیں خالو اُسے لالچ دے کر بہکا نہ لے۔

جب ہم واپس آئے تو خالو صاحب نے سب انسپکٹر صاحب سے کہہ دیا۔ کہ بچے نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہے۔ مسلمان حضرات کے چہرے کھل اُٹھے۔

دادی صاحبہ کی گریہ وزاری

دادی صاحبہ نے رونا شروع کر دیا۔ بیٹے ہم پر رحم کرو۔ تمہاری والدہ اور بھائی تمہارے لیئے بہت بے چین ہیں سوائے گریہ وزاری کے شب و روز اُن کا اور کوئی کام نہیں۔ بے شک تم مسلمان رہو مگر بھائیوں کے ساتھ رہو تمہارے چھوٹے بھائی تمہاری جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے ہیں۔ ایک دو روز میں تمہارے والد صاحب آنے والے ہیں۔ اگر تم گھر نہ آئے تو ان کا کیا حال ہو گا۔ تم ہی ان کی اُمیدوں کا مرکز تھے۔

دادی صاحبہ کی گریہ وزاری اور منت وسماجت سے مسلمانوں کے دل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ سب انسپکٹر صاحب کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ والدہ اور بھائیوں کی بے چینی نے میرے دل کو بھی ہلا کر رکھ دیا مگر رحمت ایزدی نے ساتھ دیا۔ اور میں نے دادی صاحبہ سے کہا۔ دادی اماں! آپ گھر تشریف لے جائیں میں چند روز تک حاضر خدمت ہو جاؤں گا۔ آپ میری والدہ صاحبہ اور بھائیوں کو بھی تسلی دیں۔

ایس آئی صاحب نے میرے رشتہ داروں سے کہا۔ کہ ان حالات میں آپ کے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ بہتر ہے کہ آپ حصولِ انصاف کے لیئے اپنا مقدمہ موضع بھون میں جے سنگھ صاحب آنریری مجسٹریٹ کی خدمت میں پیش کریں۔ وہ با اختیار شخص ہیں اور مقدمہ کی جزئیات پر وہ پورے عدل و انصاف سے توجہ کریں گے۔

رات پولیس چوکی پر

دادی صاحبہ اور دوسرے رشتہ دار واپس چلے گئے۔ دیال چند صاحب نے سب انسپکٹر صاحب سے گزارش کی کہ آپ صبح بچے کو بھون لے آئیں ہم بھی وہاں پہنچ جائیں گے۔ انسپکٹر صاحب نے مجھے کہا کہ تمہیں یہ رات چوکی ہی میں بسر کرنا ہوگی۔ معززین نے کہا کہ بچے کو ہمارے ساتھ بھیج دیں ہم صبح آپ کے پاس حاضر کر دیں گے مگر تھانیدار صاحب نہ مانے۔ میرا کھانا۔ چارپائی اور بستر چوکی میں بھیج دیا گیا اور میں نے رات پولیس کی نگرانی میں بسر کی۔

بھون کا پروگرام

رات کو مولانا اور دیگر شرفائے قصبہ نے باہم مشورہ کیا کہ موضع بھون میں ہندوؤں اور سکھوں کا غلبہ ہے۔ نیز مجسٹریٹ صاحب بھی سکھ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں مبادا کوئی ایسا سانحہ پیش آجائے جس سے غازی احمد کو کوئی گزند پہنچے۔ یا اس کے رشتہ دار اُسے بہلا پھسلا کر اپنے حق میں بیان دلوالیں جو ہمارے لئے باعث تکلیف ہو۔ بچے کی حوصلہ افزائی کے لئے ہمارا ساتھ جانا ضروری ہے۔

تقریباً پچاس ساٹھ آدمی بھون جانے پر آمادہ ہو گئے۔ اور آدھی رات کے وقت وہ پیدل بھون کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس دور میں سالٹ رینج ٹرانسپورٹ کمپنی کی صرف ایک بس منارہ سے چکوال جاتی تھی اور وہی شام کو واپس آتی تھی۔

صبح مولانا صاحب۔ صوفی جان محمد صاحب اور میں پولیس کی نگرانی میں اڈہ بوچھال کلاں سے بس میں سوار ہوئے اور بخیر و عافیت نو بجے بھون پہنچ گئے۔ بھون اڈے پر پچاس ساٹھ آدمی لاٹھیاں اور تلواریں لئے صف باندھے کھڑے تھے۔ تھانیدار صاحب نے حیران ہو کر پوچھا یہ لوگ کیوں کھڑے ہیں قریب آکر کہنے لگے یہ تو سب بوچھال کے آدمی ہیں۔ مولانا آپ ہی نے اُن کو روانہ کیا ہے۔ اگر کوئی فساد ہو گیا تو تمام تر ذمہ داری آپ پر عاید ہو گی۔ کیونکہ یہ لوگ آپ کے ایماء پر مسلح ہو کر آئے ہیں۔

مولانا نے فرمایا میں نے انھیں ہرگز مجبور نہیں کیا۔ یہ تو محض اپنی عقیدت کی بناء پر پیدل چل کر آئے ہیں، ہم بس سے اتر کر عدالت کی طرف چل پڑے۔ میری دادی صاحبہ اور دوسرے رشتہ دار بھی میانی اڈہ سے بس میں سوار ہوئے تھے۔ میں چونکہ تھانیدار صاحب

کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھا تھا۔ اور میرے رشتہ داروں کو عقبی نشستوں پر جگہ ملی تھی۔ لہٰذا بس میں میرے ساتھ کوئی بات چیت نہ ہو سکی۔

جے سنگھ کی عدالت میں

ہمیں عدالت میں پہنچ کر تھوڑی دیر انتظار کرنا پڑا۔ اس اثناء میں بھون کے بہت سارے ہندو اور سکھ بھی احاطۂ عدالت میں آ گئے جن میں سے بعض مجسٹریٹ صاحب کے رشتہ دار بھی تھے۔ بھون کے بے شمار مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ احاطۂ عدالت لوگوں سے بھر گیا۔

جے سنگھ صاحب تشریف لائے تو اس قدر انبوہ دیکھ کر حیران ہوئے۔ لوگوں کو حکم دیا کہ کوئی شخص کمرۂ عدالت کے قریب نہ آئے۔ میرے رشتہ دار شاید پہلے ہی درخواست دے چکے تھے۔ تھانیدار صاحب کو حکم ملا کہ بچے کو پیش کیا جائے۔ میں تھانیدار صاحب کی معیت میں عدالت میں پیش ہوا۔ دیکھا تو عدالت میں میرے رشتہ داروں کے علاوہ بہت سے ہندو اور سکھ بھی موجود تھے۔ سب نے مجھے گھور گھور کر دیکھنا شروع کیا۔

جے سنگھ صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا! میں جو بات آپ سے پوچھتا جاؤں سچ سچ بتاتے جاؤ۔ تمہیں یہاں کسی قسم کا اندیشہ یا خطرہ نہیں ہے۔

مجسٹریٹ صاحب۔ "سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ اس چھوٹی سی عمر میں اپنے والدین کا دھرم کیوں چھوڑا؟"

"جناب! میں نے اسلام میں جن خوبیوں کا مشاہدہ کیا ہے وہ ہندو دھرم میں مفقود ہیں۔ اسلام پروردگار کی وحدت و یکتائی کا درس دیتا ہے۔ ہندو دھرم میں بت پرستی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ تمام کائنات کا خالق ہی عبادت کے لائق ہے صرف اسی کی بارگاہ میں سر کو جھکانا چاہیئے۔ مگر ہندو حضرات بتوں اور دیوتاؤں کی عبادت کرتے ہیں انہی کے نام کی اپنی حاجات اور مشکلات میں دہائی دیتے ہیں اور انھیں متصرف خیال کرتے ہیں یہی شرک ہے کہ اسلام سختی سے جس کی مخالفت کرتا ہے۔"

میرا جواب سننے پر مجسٹریٹ صاحب نے فرمایا۔ یاد رکھو یہ مسلمان جو آج تمہارے ساتھ ہیں قلیل عرصہ میں تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور تم در بدر دھکے کھاتے پھرو گے۔ سوائے بھیک

مانگنے کے تمہارا کوئی کام نہ ہوگا۔ میں نے تمہاری طرح کئی نومسلم دربدر بھیک مانگتے دیکھے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم اپنے والدین کو نہ چھوڑو۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تمہارے والدین اور بھائی تمہارے لئے بہت بے چین ہیں۔ ماں باپ کو پریشان کرنا بہت بڑا پاپ ہے دیکھو میں اپنے تجربہ کی بناء پر تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اگر تم والدین کے پاس نہ گئے تو تم ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ میں حالات کے نشیب و فراز سے واقف ہوں۔ یہ مسلمان عنقریب تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے۔ بہتر ہے میری بات مان لو۔

الغرض نصیحت کے پیرائے میں مجسٹریٹ صاحب نے ایک اچھا خاصا لیکچر جھاڑ دیا۔ سامعین نے خیال کیا کہ بچہ جے سنگھ کی باتوں سے بہت متاثر ہوا ہے۔ میری دادی صاحبہ میرے پاس کھڑی یہ وعظ سن رہی تھیں۔ از خود کہہ اٹھیں۔ جناب کرشن لعل نے کہہ دیا ہے کہ اب میں دادی صاحبہ کے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔ باہر کھڑے مسلمانوں پر یہ بات بجلی بن کر گری۔ اور حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

میں نے کہا "جناب! دادی صاحبہ از خود ہی فرما رہی ہیں میں نے تو اُف سے ایک لفظ تک نہیں کہا۔ میں نے جو فیصلہ کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ مسلمان ساتھ دیں یا نہ دیں۔ اس سے میرے فیصلے کا کوئی تعلق نہیں۔"

میری یہ بات سن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی۔

دادی صاحبہ نے روتے ہوئے مجسٹریٹ صاحب کی خدمت میں گذارش کی کہ اگر کرشن لعل ہمارے ساتھ نہیں آتا تو اُسے مسلمانوں کے ساتھ بھی نہ جانے دیں۔ آپ اُسے حکم دے کر قید میں ڈال دیں۔

جے سنگھ صاحب نے فرمایا۔ "اماں! ان حالات کے تحت میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

میں نے گذارش کی: "جناب! مجھے عمر قید بھی اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی۔ میں تمام عمر جیل کے مصائب تو برداشت کر سکتا ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ اور نبی رحمت کے دامن کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

اتنے میں میرا ایک رشتہ دار بول پڑا۔ جناب! ہمارا لڑکا نابالغ ہے۔ تعزیرات ہند

کے قوانین کے تحت یہ آبائی مذہب ترک نہیں کرسکتا۔ اس کے طبی معائنے کا حکم صادر فرمایا جائے
مجسٹریٹ صاحب نے تھانیدار صاحب کو تحریری حکم دیا کہ اُسے سول ہسپتال چکوال میں لے جاؤ اور طبی معائنہ کرانے کے بعد اُسے ایس ڈی او صاحب کی عدالت میں پیش کرو شاید تمہارے حق میں فیصلہ ہو جائے۔

ایس ڈی او چکوال کی عدالت میں

ہم مع پولیس و دیگر افراد چکوال Hospital گئے۔ ڈاکٹر صاحب بحمداللہ مسلمان تھے انھوں نے طبی معائنہ کے بعد سرٹیفکیٹ دے دیا۔ کہ غازی احمدؒ عمر بلوغت کو پہنچ چکا ہے۔

سرٹیفکیٹ کے حصول کے بعد مجھے ایس ڈی او صاحب کی عدالت میں لے جایا گیا۔ معلوم ہوا کہ صاحب موصوف بذریعہ کار کلر کہار تشریف لے گئے ہیں ہم بس میں سوار ہوکر کلر کہار کے لیے روانہ ہوئے بھون کے پاس ایس ڈی او صاحب کی کار آتی دکھائی دی۔ تھانیدار صاحب نے بس سے اتر کر کار رکوائی۔ اور تمام حالات سے انھیں آگاہ کیا۔ دادی صاحبہ روتے ہوئے فریاد کرنے لگیں کہ میرے بچے کو ظالم مسلمانوں کے قبضہ سے واپس دلوایا جائے۔ ایس ڈی او صاحب نے مجھ سے حالات دریافت کیے اور میں نے بلاکم و کاست تمام حالات گوش گزار کر دیے۔ ساتھ ہی میڈیکل سرٹیفکیٹ بھی پیش کیا گیا۔

ایس ڈی او صاحب نے میرے اقرباء سے کہا مقدمے کا دارومدار ملزم کے بیان پر ہے۔ اس کے بیانات تمہاری حمایت میں نہیں۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ اعلیٰ عدالت میں قانونی چارہ جوئی کریں۔ یہ کہہ کر صاحب بہادر چکوال روانہ ہو گئے۔ اور ہم اسی بس میں گھر کے لیے سوار ہو گئے۔ کلر کہار بہت سے لوگ میری ملاقات کے منتظر تھے۔ انھوں نے میرے تمام ساتھیوں کی چائے سے تواضع کی اور اظہار عقیدت کے طور پر مجھے پھولوں کے ہار پہنائے گئے۔ اس منظر اور پذیرائی کو دیکھ کر میرے رشتہ داروں نے منہ پھیر لیا۔

بوچھال میں استقبال

راستے میں میانی اڈہ پہ دادی صاحبہ اور دوسرے رشتہ دار اتر گئے اور ہم بوچھال کلاں بس سٹاپ پہ پہنچ گئے۔ شہر کے تمام بچے۔ جوان اور بوڑھے استقبال کے لئے اڈہ پہ موجود تھے۔ نوجوان ہاتھوں میں جھنڈے لیے تھے بس سے اتار کر مجھے گھوڑے پہ سوار کرایا گیا اور ہم جلوس کی شکل میں شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ رستے میں جب گھر کے پاس سے گزرتا مسلمان مستورات پھولوں کے ہار شربت اور دودھ کے گلاس لئے کھڑی تھیں۔ سارے شہر کا چکر کاٹتے ہوئے غروب آفتاب کے بعد ہم مولانا کے مکان پہ پہنچ گئے۔ اور چند دن کے لئے آرام کا سانس لیا۔

ایک خواب

انہی ایام میں ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں ایک مکان میں بیٹھا ہوں اور تمام لوگ ایک میدان میں جمع ہو رہے ہیں اور قیامت کا آغاز ہو چکا ہے میں بھی میدان کی طرف چل پڑا۔ سورج بڑی شدت و حدت کیساتھ ہمارے سروں کے قریب چمک رہا تھا۔ جب سورج کی گرمی بہت شدید ہو گئی تو ایک بادل اُٹھا اور میرے سر پہ سایہ فگن ہو گیا۔ پھر موسلا دھار بارش برسنے لگی اور میری آنکھ کھُل گئی۔

مولانا کو صبح کی نماز کے بعد خواب بتایا۔ فرمایا کوئی اور آزمائش تم پر آنے والی ہے لیکن بفضل اللہ تم اس آزمائش میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار رہو گے۔ میں نے سکول میں باقاعدگی سے جانا شروع کر دیا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اور سٹاف کو اپنے خلاف محکمانہ انکوائری کا خدشہ تھا۔ اساتذہ کرام ہر روز مجھے فرماتے خیال رکھنا ہم میں سے کسی کے خلاف اگر ایک لفظ بھی تمہاری زبان سے نکل گیا تو ہماری ملازمت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ میں اپنے اساتذہ کو تسلی دیتا کہ آپ فکر نہ کریں۔ میں انشاء اللہ آپ پہ آنچ نہ آنے دوں گا۔

اخبار میں اعلان

ہیڈ ماسٹر صاحب اور اساتذہ کرام نے باہمی صلاح مشورے سے میرے اسلام لانے کا واقعہ تحریر کر کے پریس کو بھیج دیا۔ چنانچہ ۹ راپریل ۱۹۳۸ء کو لاہور کے روزنامہ احسان میں میرا اعلان شائع ہوا جس کی نقل درج کیے دیتا ہوں۔

نوجوان نومسلم کا اعلان

میں نے اپنی مرضی سے اسلام قبول کیا۔

میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں عرصہ تقریباً ایک ماہ سے اپنی مرضی سے مولوی عبدالرؤف صاحب امام مسجد و مدرس مدرسہ دینیات بوچھال کلاں کے دستِ مبارک پر مشرف باسلام ہو چکا ہوں۔ میں نے اپنا اسلامی نام غازی احمد رکھا ہے۔ میرے سابقہ متعلقین میرے اسلام لانے پر طرح طرح کا پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ میرے مسلمان ہونے میں کسی فرد یا دوسرے مسلمان کا ہاتھ نہیں میں خود اسلام کو ایک سچا اور صحیح مذہب سمجھ کر مسلمان ہوا ہوں۔ میں دو سال سے اسلامی کتب کا مطالعہ کرتا رہا تھا۔ میں نے تین عدالتوں میں اپنے برضا و رغبت مسلمان ہونے کے بیان بھی قلمبند کرا دیے ہیں میں دوبارہ اعلان کرتا ہوں کہ مجھے کسی نے زبردستی مسلمان نہیں کیا۔ میں عاقل و بالغ ہوں۔

مجھے اپنے مسلمان بھائیوں سے توقع ہے کہ وہ میرے لئے دعا فرمائیں گے۔

غازی احمد سابق کرشن لعل ساکن میانی
ڈاکخانہ نور پور تحصیل پنڈدادنخان ضلع جہلم

سکول میں سالانہ امتحان شروع تھے۔ میں نے بھی پورے اطمینان کے ساتھ آٹھویں جماعت کا امتحان دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کامیاب ہو گیا۔

والد صاحب کی آمد

اپریل کے وسط میں والد صاحب گھر تشریف لے آئے تمام کوائف سے آگاہ ہونے کے بعد گاؤں کے معزز اور صاحب اثر ہندو حضرات کو بلایا۔ اور مشورہ کیا کہ ان حالات میں کونسا اقدام موزوں ہو گا۔ بعض حضرات نے مشورہ دیا۔ کہ قانونی طور پر کیس کا جیتنا ممکن نہیں۔ کیونکہ تمہارا بیٹا تمہارے خلاف بیان دے چکا ہے اور آئندہ بھی یہی توقع ہے۔ ایسا بچہ سارے خاندان کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ مناسب ہے کہ کسی طرح اُسے بوچھال سے باہر بلا کر ختم کر دیا جائے تاکہ آپ کی عزت محفوظ رہ سکے۔ ورنہ آپ کے باقی بچوں کو ان حالات میں کوئی شخص رشتہ دینے پر بھی تیار نہ ہو گا۔ اپنی عزت اور دھرم کے بچاؤ کے لئے آپ کو یہ قربانی دینا ہو گی

والد صاحب نے غور و فکر کے بعد کہا کہ اس کام کا سر انجام دینا ممکن نہیں ہم بوچھال کے بدمعاش مسلمانوں کی مخالفت کسی قیمت پہ مول نہیں لے سکتے۔ ایک دیگر بزرجمہر صاحب نے فرمایا۔ میں آپ کو مناسب راستہ دکھاتا ہوں۔ اس سے سانپ بھی مرجائے گا اور لاٹھی بھی بچ جائے گی۔ تم اپنے بیٹے کے ساتھ صلح کر لو۔ تاکہ وہ گھر میں آمد و رفت شروع کر دے۔ جب باہمی اعتماد کی فضا بحال ہو جائے تو چپکے سے کھانے کی چیز میں زہر دے دینا اس طرح آسانی سے آپ اپنا مقصد حاصل کر لیں گے۔

والدہ کا ایثار

والدہ صاحبہ باہر بیٹھے یہ ساری گفتگو سن رہی تھیں۔ بھلا ایک ماں کا دل کب برداشت کر سکتا ہے کہ اس کے لختِ جگر کی زندگی ختم کر دی جائے۔ مذہب اور دھرم کا اختلاف مادرانہ الفت کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ والدہ مکرمہ نے صبح سویرے ہی غلام محمد موچی کو الگ بلا کر پانچ روپے دیئے اور کہا کہ بوچھال جا کر میرے بیٹے کو پیغام دے آؤ کہ جب تک میں تمہیں نہ بلاؤں ہرگز میانی نہ آنا اور جب تک کھانے کی کوئی چیز میں خود نہ دوں۔ کسی ہندو سے کوئی چیز لے کر ہرگز نہ کھانا۔ غلام محمد مرحوم تلاش کرتا کرتا مولانا کے مکان پہ پہنچا۔ اور مجھے والدہ کا پیغام دیا۔ تشکر و امتنان کے چند قطرے میری آنکھوں سے بہہ نکلے۔ میں نے رب العزت کے حضور دعا کی یا اللہ! ایسی شفیق ماں کی ہدایت کی کوئی صورت پیدا فرما دے تاکہ ان کی دنیا و آخرت سنور جائے۔

جہلم عدالت میں مقدمہ

ہندو معززین کے صلاح مشورہ سے یہ طے پایا۔ کہ ضلعی عدالت میں حبس بے جا کا مقدمہ دائر کیا جائے۔ دوسرے دن والد صاحب نے جہلم جا کر مقدمہ دائر کر دیا۔ کہ میرے نابالغ بیٹے کو زبردستی مسلمان کر لیا گیا ہے۔ اور اسے مقید رکھا ہوا ہے۔ علاقے میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور ہم اقلیت میں۔ لہذا ہم بچے کو مسلمانوں کی گرفت سے آزاد نہیں کرا سکتے۔ والد صاحب نے بوچھال سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب۔ مولانا عبدالرؤف صاحب، صوبیدار خانزمان صاحب اور ریشم خان ولد نور خان سکنہ میانی کے متعلق رپورٹ درج کرائی کہ بچے کو ورغلانے اور مسلمان

کرنے میں ان لوگوں کا خصوصی تعلق ہے۔

والد صاحب سے پہلی ملاقات

مقدمہ دائر کرنے کے بعد والد صاحب واپس گھر تشریف لائے اور کسی شخص کو مقدمہ دائر کرنے کا علم نہ ہوا۔ تیسرے چوتھے روز والد صاحب بوچھال تشریف لائے۔ سیدھے مولانا کے مکان پر گئے میں گاؤں میں تھا۔ ایک آدمی بھیج کر مجھے اطلاع دی گئی جب میں مولانا کے ہاں پہنچا تو والد صاحب ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے اور بہت سے مسلمان حضرات آپ کے آس پاس چارپائیوں پر بیٹھے والد صاحب کے ساتھ محو تکلم تھے۔

والد صاحب نے مجھے گلے لگا کر پیار کیا۔ میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا میں پاس ہی بیٹھ گیا۔ جناب والد صاحب کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ محبت پدری آنسوؤں کی صورت میں شبنم سحر کی طرح گوشہ ہائے چشم سے ٹپکنے لگی۔ میرا دل بھی پسیج گیا۔ ایک عجیب انقلاب تھا جس سے تمام خاندان کی مسرتیں آہوں اور آنسوؤں میں بدل چکی تھیں۔ واقعی میرے خاندان والوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ کسی رشتہ دار کے چہرے پر مسکراہٹ باقی نہ تھی۔ غم واندوہ اور غصے کے ملے جلے جذبات تھے۔ مجھے علم تھا کہ خاندان کے اس کرب و اضطراب کا باعث میں ہی تھا۔ لیکن میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت نے میرے دل کو موہ لیا تھا۔ میرے احساسات و جذبات میرے قابو میں نہ تھے۔ مجھے احساس تھا کہ میں نے والدین کی زندگی دکھی کر دی ہے۔ لیکن میں اُنھیں مسرتیں لوٹانے کے لئے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اسلام میرے بدن کے ذرے ذرے میں سرایت کر چکا تھا۔ اس لئے میں نے والدین اور خاندان والوں کی خوشیاں اس مقدس دین پر قربان کر دیں۔

والد صاحب نے فرمایا۔ بیٹے اگر تم نے اپنا مذہب تبدیل کر لیا ہے تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ شاید تمہیں اسلام کی کوئی بات پسند آگئی ہوگی میں تو خوش ہوں کہ تم نے جس چیز میں صداقت دیکھی اُسے اختیار کر لیا۔ البتہ تم نے ایک بہت بڑی غلطی کی ہے تم گھر میں تمام بھائیوں سے بڑے تھے بھائیوں کی نگرانی اور والدہ کی مدد کرنا تمہارا فرض تھا۔ اگر اسلام

قبول کرنے کے بعد تم اپنے گھر چلے جاتے تو کوئی بات نہ تھی ۔ میں نے بڑی مشکل سے رخصت حاصل کی ہے ۔ اگر تم گھر آجاتے تو مجھے پریشانی نہ ہوتی اور خواہ مخواہ اخراجات کا بوجھ نہ اٹھانا پڑتا ۔ چند دن یہاں رہ کر گھر آجاؤ اور گھر میں آرام سے زندگی بسر کرو تعلیم کی طرف پوری توجہ دینا کہیں سکول نہ چھوڑ دینا ۔ الغرض والد صاحب کافی دیر تک نصیحت اور خیر خواہی کی باتیں کرتے رہے جن سے سامعین کے دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ۔

والد صاحب نے فرمایا کہ اگر روپے پیسے کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لو ۔ میں نے عرض کیا ۔ فی الحال ضرورت نہیں ۔ فرمایا اگر کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تو گھر سے منگوا لیا کرو ۔ باتیں کرنے کے بعد والد مکرم اٹھ کھڑے ہوئے اور مسلمان حضرات سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے ۔ مولانا اور دوسرے حضرات والد صاحب کی گفتگو سے بہت متاثر تھے ۔ کہ ہندو ہو کر بھی انھوں نے کس وسعتِ قلبی کا ثبوت دیا ہے ۔ بہت شریف اور معقول آدمی دکھائی دیتے ہیں ۔

نیا خواب

تین چار روز بعد میں نے رات کو خواب میں دیکھا ۔ کہ ایک بہت بڑا دروازہ ہے ۔ جس کی ایک جانب میرے والد صاحب دادی صاحبہ اور دیگر رشتہ دار کھڑے ہیں ۔ دروازے کی دوسری جانب سے جب میں گزرتا ہوں تو انھوں نے میرے بازو کو پکڑ لیا اور زور سے اپنی طرف کھینچنا شروع کیا ۔ میں بلند آواز سے چلانے لگا ۔ مسلمانو مجھے پکڑو یہ مجھے لیئے جا رہے ہیں ۔ اسی کشمکش میں میری آنکھ کھل گئی ۔

صبح مولانا نے خواب سننے کے بعد فرمایا ۔ خدا خیر کرے حالات تو کچھ اچھے نظر نہیں آتے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ پردۂ غیب کے پیچھے کیا ہے ۔ شاید تمہیں پھر کسی بڑی آزمائش سے دوچار ہونا پڑے ، اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اور دل و دماغ سے خدشات نکال دو ۔

محکمہ تعلیم میں درخواست

اسی دوران جناب والد صاحب نے ایک درخواست ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز راولپنڈی کو دی کہ میرا لڑکا ڈی بی ہائی سکول بوچھال کلاں میں زیر تعلیم تھا ۔ سٹاف سارے کا سارا مسلمان ہے ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اور اساتذہ نے میرے لڑکے کو بہلا پھسلا کر مسلمان بنا لیا ہے ۔ براہ کرم جلد انکوائری

کی جائے۔

ڈویژنل انسپکٹر صاحب نے قریشی محمد صادق صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر جہلم کو انکوائری کرنے کا حکم دیا۔ قریشی صاحب سکول بند ہونے کے بعد تشریف لائے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اور تمام اساتذہ کو بلایا گیا۔ چار بجے کے قریب چپڑاسی بھیج کر مجھے بھی طلب کیا گیا۔

میں جب سکول پہنچا تو ڈی آئی صاحب اور تمام اساتذہ کرام تشریف فرما تھے۔ قریشی صاحب بغلگیر ہوئے اور مجھے کرسی پہ بیٹھنے کو فرمایا۔ قریشی صاحب نے کچھ کاغذات نکالے اور مجھ سے بیان لینے شروع کیے۔

میرا موجودہ نام۔ سابقہ نام۔ والد صاحب کا نام۔ سکونت اور کلاس دریافت کی۔ میں سوالات کے مطابق جوابات دیتا رہا۔ فرمایا اب تم کہاں اور کس کے پاس رہتے ہو۔ میں نے بتایا کہ مولانا عبدالرؤف صاحب کے دینی مدرسہ میں مقیم ہوں۔

قریشی صاحب نے فرمایا یہ تو بتاؤ کس استاد نے کلاس میں یا تنہائی میں یہ کہا تھا۔ کہ سب سے اچھا مذہب اسلام ہے۔ جناب! آج تک کسی استاد صاحب نے اس قسم کی کوئی بات سکول میں مجھ سے نہیں کی۔ اور نہ اس سلسلے میں کسی قسم کی ترغیب مجھے دی گئی۔

اگر تمہیں کسی استاد نے اسلام کے بارے کچھ نہیں بتایا اور ترغیب دی ہے تو پھر تم مسلمان کیسے ہو گئے۔

جناب میں خواب میں دو بار حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو چکا ہوں۔ چند ایک اسلامی کتب کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب سے اسلام لایا ہوں۔ کسی استاد صاحب کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں۔

فرمایا ایسی کونسی خوبی تمہیں اسلام میں دکھائی دی جو ہندو مذہب میں نہ تھی؟

جناب! اسلام میں ابھی میں نووارد ہوں۔ تفصیلات کا تو مجھے علم نہیں۔ البتہ اس قدر ضرور جان چکا ہوں کہ اسلام کا طرۂ امتیاز توحید الٰہی ہے۔ جس سے دوسرے تمام مذاہب محروم ہیں۔ ہندوازم میں تو ہاتھ سے بنائے ہوئے پتھر کے معبودوں کے سامنے سرنگوں ہونا پڑتا ہے۔ مگر اسلام صرف رب العالمین کے سامنے سرنگوں ہونے کی دعوت دیتا ہے۔

میری بات سن کر کہا ایسی خرابیاں تو مسلمانوں میں بھی موجود ہیں۔ اولیاؑ اللہ کے مزارات پر میں نے لوگوں کو سجدہ کرتے دیکھا ہے۔ میں نے عرض کیا۔ جناب! میرا اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا میں نے تو رب ذوالجلال کے سامنے جھکنا سیکھا ہے۔

قریشی صاحب بہت خوش ہوئے فرمایا تمہیں نماز یاد ہے؟

جی ہاں! میں نے نماز یاد کر لی ہے۔ قریشی صاحب کو نماز سنائی۔ آپ نماز سن کر بہت خوش ہوئے اور میرے لئے استقامت کی دعا کی۔

جب بیانات دے کر باہر نکلا تو تمام اساتذہ کھڑے تھے سب نے گلے لگایا کہ تم نے بہت عمدہ باتیں کی ہیں۔ ہم سب آپ پر بہت خوش ہیں۔ اور تمہارے لئے بہتری کی دعا کرتے ہیں۔ صبح سکول آ کر پھر قریشی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ آپ جہلم تشریف لے گئے۔

قریشی صاحب ڈپٹی انسپکٹر کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔ محکمۂ تعلیم میں میری پہلی تقرری انہی کی مرہون منت ہے۔ جب بھی ان سے ملاقات ہوتی انتہائی شفقت سے پیش آتے۔ ان کے احسانات کا میں بہت ممنون ہوں۔

والد صاحب کا یہ تیر بھی نشانے پہ نہ لگ سکا۔ اور انکوائری کی رپورٹ سے اُنھیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکا۔

جہلم کے لئے سمن

اواخر اپریل میں ملک محمد طفیل صاحب ہیڈ ماسٹر۔ مولانا عبدالرؤف صاحب، صوبیدار خانزمان۔ اور ریشم خان کے سمن لے کر جہلم سے پیادہ آیا۔ کہ فلاں تاریخ بچے کو ساتھ لے کر عدالت میں حاضری دو ہیڈ ماسٹر صاحب کے سوا دیگر حضرات نے دستخط کر دیئے۔

تمام لوگ جنہوں نے والد صاحب سے ملاقات کی تھی حیران تھے۔ کہ تمہارے والد صاحب نے مقدمہ بھی دائر کر دیا اور تمہیں گھر آنے کی دعوت بھی دیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یونہی منظور تھا عدالت میں پیشی کے لئے مولانا صاحب، صوبیدار صاحب۔ ریشم صاحب اور میں توچھال سے بس میں سوار ہوتے میانی اڈہ سے والد صاحب اور چند رشتہ دار بھی اسی بس میں تشریف لے آتے۔ جب کلر کہار اڈہ پر بس رکی۔ تو والد صاحب نے بلایا۔ میری بات سنو۔ میں بس سے اترا

والد صاحب نے الگ جا کر کہا۔ بیٹا! جہلم جا کر میری عزت کا خیال رکھنا۔ آخر میں تمہارا باپ ہوں مجھ سے بڑھ کر تمہارا خیر خواہ کون ہو سکتا ہے۔ ان مسلمانوں کی ہمدردی صرف چند دن کے لیئے ہے بعد میں تم ذلیل ہو جاؤ گے بھیک مانگ کر گزارہ کرنا پڑے گا۔ اور اس وقت ہم بھی تمہیں منہ نہ لگائیں گے۔ بہتر ہے کہ عدالت میں جا کر ہمارے حق میں بیان دے دو۔ اور چند مسلمانوں کے جن کے خلاف ہم نے شکایت درج کرائی ہے نام لے دو کہ انہی نے مجھے ڈرا دھمکا کر مسلمان کیا ہے تاکہ انھیں عدالت کی طرف سے سزا مل جائے اور دوسرے مسلمانوں کے لئے باعثِ عبرت ہو جج صاحب بھی اگرچہ مسلمان ہیں۔ لیکن وہ میری مدد کرنے کا پختہ عہد کر چکے ہیں۔ میں اس سلسلہ میں کافی روپیہ خرچ کر چکا ہوں۔ یہ تمام تفصیلات بعد میں تمہیں بتا دوں گا۔

میں نے کہا جناب اگر آپ مقدمہ نہ کرتے تو اچھا تھا۔ ایک تو آپ نے خواہ مخواہ اخراجات برداشت کیئے۔ دوسرے آپ کا مقصد بھی حل نہ ہوگا۔ کیونکہ میں نے جو فیصلہ کیا ہے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اگر چند روز بعد مسلمان مجھ سے کنارہ کشی کر لیں۔ اور آپ بھی مجھے منہ نہ لگائیں۔ مجھے دربدر بھیک مانگنا پڑے۔ یا میں بھوکا مر جاؤں تب بھی میں اسلام کو ترک کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتا۔

اباجان میں کسی لالچ کے تحت مسلمان نہیں ہوا گھر میں مجھے کسی چیز کی کمی نہ تھی نہ میں نے کسی عورت کے عشق میں اپنا دھرم چھوڑا ہے۔ آپ ایک خوبصورت لڑکی سے میری منگنی کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ نہ میں کسی کے دباؤ کے تحت گھر سے نکلا ہوں۔ ورنہ میں عدالت میں بیان دے کر اپنی جان چھڑا سکتا تھا۔ آپ میرے والد ہیں میں آپ کا احترام کرتا ہوں۔ لیکن مذہب کے معاملے میں آپ کا حکم ماننے سے قاصر ہوں۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔

والد صاحب خاموش ہو گئے اور میں بس میں بیٹھ گیا۔ مولانا صاحب کو تمام بات سے آگاہ کر دیا۔ چکوال سے جہلم کے لیئے بس تبدیل کی اور دوپہر کے وقت جہلم پہنچ گئے۔

بوچھال کے بہت سے مسلمانوں نے جہلم تک جانے کا ارادہ کیا۔ مگر مولانا نے روک دیا۔ کہ اتنے لوگوں کو جہلم جانے کے لیئے چنداں ضرورت نہیں۔ دور کا سفر ہے خرچ زیادہ آئے گا نیز فصل کٹنے کا موسم ہے۔ مولانا کی بات سن کر دوست رک گئے۔ جہلم میں ایک مولوی صاحب کے

گھر قیام کیا۔ مولانا نے مولوی صاحب کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ رات کے وقت مولوی صاحب نے جج صاحب کے ریڈر سے ملاقات کرائی۔ گفتگو کرنے سے پتہ چلا کہ حالات شاید ہمارا ساتھ نہ دیں۔ ریڈر صاحب کے تیور بھی بدلے ہوئے نظر آتے تھے۔ والد صاحب یا جہلم کے ہندو شاید ان سے بھی مل چکے تھے۔

نماز فجر سے فارغ ہو کر ایک وکیل صاحب کے گھر گئے۔ انھوں نے کہا آپ بے فکر رہیں میں کورٹ میں وقت سے پہلے پہنچ جاؤں گا۔ اور تمام معاملات ٹھیک ٹھاک کر لیں گے۔ ہم عدالت میں پہنچ گئے مگر وکیل صاحب نظر نہ آتے اس لیے دوسرے وکیل کی طرف رجوع کیا گیا۔

عدالت میں

تھوڑی دیر بعد عدالت میں پیشی ہوئی۔ والد صاحب کے ساتھ جہلم کے تین چار ہندو تھے۔ والد صاحب میرے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ اور آہستہ سے کہا۔ بیٹا! اب میری عزت کا سوال ہے اب بھی اگر تم نے میری حمایت نہ کی تو میں کہیں کا نہ رہوں گا۔ میانی میں ہمارا رہنا مشکل ہو جائے گا۔ اگر تمہیں کسی کا ڈر ہے تو اب جج صاحب کے سامنے بتا دو اُسے قید کرا دیا جائے گا۔ تم جس چیز کا مطالبہ کرو گے میں مہیا کر دوں گا۔ جج صاحب کے سامنے صرف اتنا کہہ دو کہ میں اپنے والد کے پاس رہنا چاہتا ہوں۔

میں خاموش رہا اور زمانہ کے انقلابات پر غور کرتا رہا۔ کہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے کس قدر رکاوٹیں راہ میں حائل ہیں۔ روزی کی فکر۔ رہنے سہنے کے لوازمات۔ والدین اور بھائیوں کی محبت۔ تعلقات خانہ داری اور ہزاروں دلچسپیاں۔ اگر ان امور کو ثانوی حیثیت نہ دی جائے تو انسان قرب خداوندی سے محروم رہتا ہے۔

والد صاحب کی بے بسی دیکھ کر میرا دل تڑپ اُٹھا۔ مگر فوراً ہی حضرت لقمان سامنے آگئے جو اپنے بیٹے سے محو تکلم تھے۔ اے بیٹے تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میری ہی عبادت کرو۔ اور والدین کی اطاعت کرو۔ ہاں۔ وان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفاً۔

یعنی اگر تیرے ماں باپ اس امر کی کوشش کریں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ ماننا البتہ دنیوی امور میں ضرور ان کے ساتھ بھلائی کرتے رہو

باپ بیٹے کی اس گفتگو سے میرے تمام خدشات دور ہو گئے۔ میں نے والد صاحب سے کہہ دیا۔ ابا جان! اس معاملہ میں آپ کا بیٹا مجبور و بے بس ہے۔

جج صاحب ریڈر کو کچھ لکھوا رہے تھے۔ فراغت پانے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ ارے لڑکے تم ہی مسلمان ہو۔ جی ہاں۔

تمہارا نام کیا ہے۔ کس جماعت میں اور کون سے سکول میں پڑھتے ہو۔ میں ہر سوال کا جواب دیتا رہا۔ تمہیں کس شخص نے اسلام لانے کو کہا۔ جناب میں اپنی مرضی سے مسلمان ہوا ہوں کسی دوسرے شخص کا کوئی دخل نہیں۔ (والد صاحب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ صاحب تمہارے والد ہیں "جی ہاں" کیا تم اپنے والد کے ساتھ جانا چاہتے ہو۔ جناب "ہرگز نہیں" اگر کسی مسلمان نے تم پر دباؤ ڈالا ہے تو اس کا نام بتاؤ میں اُسے قید کر دوں گا۔" جناب میرے اسلام لانے میں کسی شخص کا دخل نہیں۔"

جج صاحب نے تمام حضرات کو باہر جانے کا حکم دیا۔ مجھے اور والد صاحب کو اشارہ کر کے روک لیا۔ فرمایا تم ابھی نابالغ ہو۔ بلوغت تک تمہیں اپنے والد کے پاس رہنا ہوگا۔ میں نے عرض کیا "جناب! میں عاقل و بالغ ہوں گھر کے حالات کو صاحب زمانہ ہی بہتر طور پہ جانتا ہے۔

جج صاحب کی پیشانی پر نفرت کے کچھ بل نمودار ہوئے۔ ریڈر کے پاس ایک خالی کرسی پڑی تھی اس پہ بیٹھنے کو کہا گیا۔ میں کرسی پہ بیٹھ گیا۔ والد صاحب کے ساتھ جہلم کے جو ہندو حضرات تھے۔ ان میں سے ایک نے ضمانت دی۔ جج صاحب نے والد کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ میں نے انکار کر دیا۔

ہندوؤں کی حراست میں

جج صاحب نے والد صاحب اور دوسرے حضرات سے کہا کہ اُسے پکڑ کر لے جاؤ۔ میری تلاشی لی گئی جیب میں ایک چھوٹا سا چاقو تھا وہ لے لیا گیا۔ ہندو حضرات پکڑنے آگے بڑھے۔ میں کرسی سے اٹھا اور عدالت کے دروازے سے بھاگ جانے کی کوشش کی۔ مگر انہوں نے پکڑ لیا

میں نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن بے سود میں نے چیخنا چلانا شروع کیا۔ مسلمانو! یہ لوگ مجھے زبردستی لئے جا رہے ہیں۔ مجھے ان سے بچاؤ۔ یہ لوگ مجھے مار دیں گے۔ مولانا صاحب اور صوبیدار صاحب بھی دور کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ عدالت کے باہر کار کھڑی تھی مجھے زبردستی اس میں ڈال دیا گیا اور کار چل پڑی۔

کار دریائے جہلم کے کنارے ایک دو منزلہ مکان کے پاس آکر رکی مجھے دوسری منزل میں لے گئے۔ مجھے کچھ علم نہ تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ میں جج صاحب کی قساوت قلبی پہ حیران تھا۔ کہ میرے انکار کے باوجود کیوں مجھے والد صاحب کے سپرد کیا گیا۔ اتنے میں آس پاس کے بہت سے ہندو حضرات جمع ہو گئے۔ میں متواتر روئے جا رہا تھا۔ چائے وغیرہ پیش کی گئی۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔ شام تک رونے دھونے کے بغیر کوئی کام نہ تھا۔ اس اجنبی ماحول میں مجھ پہ قیامت کا سا عالم تھا۔ رات کو کچھ کھائے پیئے بغیر روتے روتے سو گیا۔

والدہ صاحبہ جہلم میں

اسی دن والدہ صاحبہ کو ٹیلیگرام دی گئی کہ فوراً جہلم آجائیں۔ تیسرے دن والدہ صاحبہ میرے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر تشریف لے آئیں۔ والدہ صاحبہ آتے ہی رونے لگیں۔ اور کہا اگر تم نے آئندہ پیشی پہ ہمارے حق میں بیان نہ دیے تو میں گھر واپس نہیں جاؤں گی۔ زہر کھا لوں گی یا دریا میں کود کر اپنی زندگی ختم کر لوں گی۔ تمہارے بغیر ہم میانی نہیں جا سکتے۔ ساری برادری تمہاری وجہ سے ہم سے بھی نفرت کرنے لگی ہے اب تمہارے چھوٹے بھائیوں کا بوچھال سکول میں تعلیم حاصل کرنا ممکن نہیں۔ مسلمان ان سے طرح طرح کا مذاق کرتے ہیں۔

بیٹا جس دن سے تم نے ہمیں چھوڑا ہے۔ بھگوان کی سوگند ہمارا امن و سکون تلپٹ ہو چکا ہے۔ رات کو تمہارے لئے روتے روتے سوتی ہوں۔ اور صبح تمہاری جدائی میں فریاد کرتے بیدار ہوتی ہوں۔

والدہ مکرمہ کی بے بسی اور ان کی یہ باتیں میرے دل میں نشتر کی طرح پیوست ہو جاتیں کلیجہ خون ہو جاتا مگر..... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلربا صورت میری آنکھوں کے سامنے آجاتی۔ اور ہر لمحہ میرے زخموں کے اندمال کا سامان فراہم کر دیتی میرے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو استقامت سے نوازتی

میرا ہر وسوسہ حق الیقین سے بدل جاتا۔ اللہ اللہ! جس کو اپنا بنا لیا وہ پھر کسی دوسرے کا نہ بن سکا۔

والدہ صاحبہ ہر روز اسی طرح گفتگو فرماتیں اور میں خاموشی سے سن لیا کرتا۔ والدین کی معیت کے باوجود یہ شب و روز میرے لئے عرصۂ محشر سے کم نہ تھے۔ مجھ پہ کڑی نگرانی تھی۔ مکان سے باہر قدم نکالنا محال تھا۔ ہر وقت دو تین حضرات کراماً کاتبین کی طرح ساتھ دیتے۔

مقدمہ کے حالات

میں نے ایک روز والد صاحب سے دریافت کیا۔ براہ کرم مجھے مقدمہ کی حقیقت سے تو آگاہ کریں۔ والد صاحب نے فرمایا۔ ہمیں دوسری پیشی کے لئے دس دن کی تاریخ دی گئی ہے۔ دسویں دن ہمیں پھر عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اگر تم نے ہمارے حق میں بیان دے دیئے تو ہم مقدمہ جیت جائیں گے۔ اور اگر تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا تو بھی ہماری کامیابی یقینی ہے۔ اب تم مسلمانوں کو بھول جاؤ اب وہ تمہاری شکل بھی نہ دیکھ پائیں گے۔ دس دن تک عدالت نے تمہیں ہمارے سپرد کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء

والد صاحب کی باتیں سن کر میں لرز اٹھا۔ اور مارے خوف کے میری قوتِ فکر مفلوج ہو گئی۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہہ سکا۔ یا اللہ! آپ ہی مجھے اس عذاب سے نجات دلا سکتے ہیں۔ میرے اللہ میری نحیف اور ننھی جان آزمائش کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میرے رب میں تین چار روز سے کوئی نماز ادا نہیں کر سکا۔ نماز کے اوقات میں قیام۔ رکوع اور سجود کے بغیر نماز پڑھ لیتا ہوں۔ یا اللہ میری ان نمازوں کو قبول فرما۔ اور مسلمانوں کے پاس واپس جانے کے ذرائع مہیا فرما۔

والد صاحب آئندہ پیشی تک جہلم ہی میں قیام پذیر رہے۔ چار روز بعد ہم اس دو منزلہ مکان سے دریائے جہلم کے کنارے مندر کے مہمانخانہ میں آ گئے۔ مجھے علم نہیں کہ کس مصلحت کے تحت جناب والد صاحب نے آئندہ پیشی تک جہلم رہنا اختیار کیا تھا۔ شاید اس میں ان کی کوئی مصلحت ہو۔

دوسرے روز والد صاحب نے کہا کہ آؤ تمہیں بازار کی سیر کرائیں۔ دو تین ہندو حضرات بھی ساتھ تھے۔ ہم ایک ٹانگہ میں سوار ہوئے مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ کہ کہاں لئے جا رہے ہیں ایک دفتر کے سامنے ٹانگہ جا رکا۔ ہم دفتر کے اندر داخل ہوئے۔ ایک انگریز صاحب تشریف فرما تھے۔ اُس نے مجھے دیکھا اور ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر والد صاحب کے حوالے کر دیا۔ والد صاحب نے جیب سے کچھ رقم نکال کر بطور ہدیہ پیش کر دی۔

یہ ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر صاحب کا دفتر تھا۔ والد صاحب نے بتایا کہ یہ بہت بڑا ڈاکٹر ہے اس نے لکھ کر دے دیا ہے کہ تم نابالغ ہو، اب اگر جج صاحب کے سامنے تم نے میرے ساتھ آنے سے انکار کیا تو تم ساری عمر کے لئے جیل میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ اور وہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاؤ گے۔

یہ باتیں سن کر میں گھبرا گیا۔ یا اللہ! اب میں کیا کروں گا۔ اب تو ساری عمر جیل میں رہنا پڑے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہی کوئی سبیل پیدا فرما دیں گے۔

یہ سات آٹھ روز میں نے بہت مشکل سے گذارے والدہ مکرمہ کی بے بسی کی باتیں میرے لئے برداشت سے باہر تھیں۔ میرا دل خون ہو جاتا۔ چپکے چپکے اللہ رب العزت سے دعا کرتا رہتا۔

ہمارے دن گزشتہ پھر ہمیں یارب دکھا دینا
سنا ہے تیری قدرت سے گئے دن پھر بھی آتے ہیں

دوبارہ عدالت میں

نویں دن والد صاحب کے پاس چار پانچ ہندو حضرات اور آ گئے والد صاحب اور مجھے ساتھ چلنے کو کہا۔ ہم دونوں ساتھ چل پڑے۔ مجھے منزل کا علم نہ تھا۔ ہم ٹانگہ میں سوار تھے۔ ٹانگہ عدالت کے پاس جا کر رکا۔ تو میں نے والد صاحب سے دریافت کیا۔ تاریخ پیشی تو کل ہے۔ آج آپ کدھر آ گئے ہیں۔ والد صاحب نے جواب دیا کہ واقعی تاریخ تو کل ہے۔ آج ایک ضروری کام کے سلسلے میں جج صاحب سے ملنے آئے ہیں۔ ہم سب عدالت میں پہنچے۔ جج صاحب کرسئ عدل وانصاف پر براجمان تھے۔ والد صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ بچے کو لے آئے ہیں۔ اس کو اپنے پاس آرام

سے رکھنا۔ دو سال بعد اسے اجازت ہو گی جہاں چاہے رہ سکتا ہے۔ آپ ضمانت کے کاغذات کی تکمیل کریں۔

مجھے اس وقت پتہ چلا کہ یہ حضرات تاریخ سے ایک دن پہلے ہی اپنے حق میں فیصلہ کرا رہے ہیں۔ میں نے جج صاحب سے گزارش کی میں کسی صورت میں بھی والد صاحب کے پاس رہنے کو تیار نہیں ہوں۔ مگر طوطی کی آواز نقار خانے میں کون سنتا۔ چند کھوٹے سکوں کے عوض انصاف کا خون کر دیا گیا۔ ایک معصوم دل کی تمناؤں کی کلیوں کو بے انصافی کے پاؤں تلے مسل دیا گیا۔ اسلام کا نام لے کر اسلام کا گلا کاٹا گیا۔ حقیر سی رقم کے عوض فرمان رسول کو پس پشت ڈال دیا گیا۔

ارشاد رسولؐ

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ اے علیؓ اگر ایک شخص تمہاری وجہ سے اسلام کے دامن میں پناہ لینے پہ آمادہ ہو جائے تو اس کے مقابلے میں ساری دنیا کی حکومت قبول نہ کرنا۔ مگر یہاں اُسی رسولؐ کے نام لیوا چند سکوں کے عوض اسلام کا سودا کر رہے تھے۔

والدہ کی روانگی

میری ہر بات صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ میں نے صرف اتنا کہا۔ واہ رے انصاف۔ اور والد صاحب کے ساتھ چل پڑا۔ جائے اقامت پر پہنچے اور والدہ صاحبہ کو گھر کے لئے بس میں سوار کرایا۔ واپس آکر والد صاحب بھی سفر کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے۔ مگر جواب ندارد۔

میں حیران تھا۔ کہ یہ لوگ کدھر جانے والے ہیں۔ اور کیا نیا گل کھلنے والا ہے۔ دریافت کرنے پر بھی کچھ پتہ نہ چل سکا۔ اب تو صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی کا سہارا تھا۔ والد صاحب کے چہرے کے خدوخال بدلتے ہوئے حالات کی تمہید تھے۔ دل تھا کہ انجانے خوف سے گھبرا رہا تھا۔

ماں کی نصیحت

رہ رہ کر والدہ مکرمہ کے الوداعی الفاظ یاد آ رہے تھے۔ بیٹا میں تمہیں بھگوان کے سپرد کرتی ہوں۔ ایشور کے لئے اپنے باپ کی ہر طرح اطاعت کرنا۔ اور انہیں ہر حال میں راضی رکھنا۔ میرے ان آنسوؤں کی قدر کرنا میں ساری عمر تمہاری احسان مند رہوں گی۔

اُف! ماں جیسی مقدس ہستی اور بیٹے کی احسانمند۔ ایک نادیدہ منظر میری آنکھوں کے سامنے گھوم گیا جب ماں نے اپنے بیٹے کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ ماں! ایسا نہ کریں۔ میری پریشانیوں میں اضافہ نہ کریں۔ میں آپ کی جوتیوں کو سر پہ رکھنا سعادت خیال کرتا ہوں۔ لیکن آپ میری مجبوری کو بھی مدِنظر رکھیں۔ میں نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں کیا۔ آپ کے اور میرے خالق کی یہی رضا تھی۔ ورنہ اس قدر چھوٹی عمر میں اتنا عظیم کارنامہ کیسے سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ آپ بے فکر رہیں۔ یہ بھی میری آخری گزارش کہ بس سٹارٹ ہو گئی۔

والدہ صاحبہ کی روانگی کے بعد یہ عالم تھا۔ کہ میری سوچ کی قوتیں ماؤف ہو گئیں۔ میں تقریباً حواس باختہ ہو چلا تھا۔ یا اللہ! میں کہاں ہوں۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کہ اتنے میں ہاتف غیبی کی آواز سنائی دی۔ استقلال و پامردی مسلمان کا شیوہ ہے۔

ارشادِ رسول ؐ

کیا نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تمہاری رہبری کے لیے کافی نہیں واللہ، لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔ اللہ کی قسم کوئی شخص اس وقت تک کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک والدین، اولاد غرضیکہ تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھے محبوب نہ جانے۔ اضطراب کے گرداب میں ڈوبتا ہوا دل سنبھل گیا۔ ضمیر نے پکارا اگر تمام دنیا کی عورتیں بھی میری مائیں بن جائیں تو میں ان کو سرکارِ دوجہاں کی مقدس جوتیوں پہ قربان کرنے کو تیار ہوں۔ فداہ روحی ونفسی۔

انسانی شفقت

ایسے حالات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک واقعہ ہمیشہ میری نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ کہ انسانی قلب کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح لطف وکرم اور رحم کے خمیر سے تیار فرمایا ہے۔

جنگ اُحد میں وحشی نامی غلام نے نیزہ مار کر حضرت رسول اکرم ؐ کے چچا حضرت حمزہ رضؓ کو مقام شہادت پہ سرفراز کر دیا۔ ہندہ زوجہ ابوسفیان رضؓ نے آپ کا کلیجہ نکال کر چبایا۔ حضور ؐ کو اپنے چچا کی شہادت کا بہت دکھ تھا۔ شفیق چچا کی یاد میں آپ کے آنسو نکل آتے جب اسلام نے مدینہ سے نکل کر عرب کے دیگر امصار و بلاد کو اپنے دامنِ رحمت

میں سمو لیا تو حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی غلام بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ حضور کی خدمت میں عہد کیا کہ جس طرح میں نے اسلام کو ایک عظیم محسن سے محروم کر دیا ہے اسی طرح کفر کے ایک عظیم سرپرست کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر تلافیٔ مافات کی کوشش کروں گا۔

وحشی نے اپنا عہد پورا کر دکھایا اور ابن کاذب مدعیٔ نبوت کو واصلِ جہنم کیا جو ہزاروں افراد کو گمراہ کر چکا تھا۔ ایک دن وحشی آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا میرے سامنے نہ بیٹھا کرو۔ میری پیٹھ پیچھے بیٹھا کرو۔ تمہیں دیکھ کر چچا کی یاد آجاتی ہے ایسا نہ ہو کہ میرا دل تم سے ناراض ہو جائے۔

ماں باپ اور اعزہ سے محبت کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے جو انسان کے بس میں نہیں۔ مذکورہ بالا حدیث میں طبعی محبت کا تقاضا نہیں کیا گیا بلکہ محبتِ اختیاری کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

ہمارے پیارے رسولؐ نے تو ہمیں تمام مخلوق پر رحم کرنے اور محبت کرنے کا سبق دیا ہے۔ والدین کی محبت تو طبعی اور فطری امر ہے۔ اور مجھ جیسا ناتجربہ کار اور کم عمر راہی محبت کے سیلاب میں ایک تنکے کی حیثیت رکھتا تھا۔

لاہور روانگی

والدہ صاحبہ کے تشریف لے جانے کے بعد والد صاحب۔ چچا رام سرن اور میں باقی رہ گئے۔ دونوں حضرات سامان سمیٹنے میں مصروف ہو گئے میں نے پھر والد صاحب سے پوچھا کہ اب ہمیں کہاں جانا ہے۔ فرمایا۔ لاہور۔ تمہیں وہیں حصولِ تعلیم کے لئے چچا جان کے پاس چھوڑ کر خود کشمیر چلا جاؤں گا۔

میں یہ پروگرام سُن کر دل ہی دل میں خوش ہونے لگا کہ میں جلد ہی موقع پا کر لاہور سے بھاگ نکلوں گا اور بوچھال کلاں مسلمانوں کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ مگر تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ کے مصداق اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہم تیار ہو کر اڈہ پر آئے اور لاہور جانے والی بس کا انتظار کرنے لگے۔ آپ کو تھوڑی دیر کے لئے بوچھال کلاں لئے چلتا ہوں

بوچھال کے کوائف

عدالت سے فارغ ہو کر مولانا صاحب۔ صوبیدار خان زمان صاحب اور رشیم خان صاحب بوچھال کلاں واپس آ گئے اور

لوگوں کو تمام حالات سے آگاہ کیا کہ عدالت کے حکم سے غازی احمد کو ہندو زبردستی پکڑ کر ساتھ لے گئے ہیں۔ اب دس روز بعد پھر پیشی ہے۔ معلوم نہیں کیا انجام ہو۔ اگر عدالت غازی احمدؒ کو والدین کے سپرد کر دیتی ہے تو پھر اس کے واپس آنے کی تمام امیدیں منقطع ہو جائیں گی۔ لوگوں نے جب یہ حالات سنے تو بہت پریشان ہوئے۔ اور مولانا صاحب سے کہنے لگے اگر آپ ہمیں ساتھ لے جاتے تو ہم اپنی جان پہ کھیل کر بھی غازی احمد کو بچا لیتے۔

مولانا سے ملاقات

لوگوں نے مولانا سے کہا کہ آیندہ پیشی پہ ہم بھی ضرور جہلم جائیں گے مولانا نے بھی انھیں اجازت دے دی۔ جس شام کو ہم لاہور روانہ ہو رہے تھے اسی شام کو مولانا عبدالرؤف صاحب۔ صوفی جان محمد صاحب اور محمد صادق ولد صوبیدار خان زمان صاحب جہلم پہنچ گئے۔ اڈہ کے پاس ہی ہوٹل میں بیٹھے تھے کہ محمد صادق نے مجھے دیکھ لیا اور دوڑا دوڑا میرے پاس آیا۔ کہ مولانا صاحب تمہیں بلا رہے ہیں۔ میں مولانا کے پاس چلا آیا۔ ابھی دوستوں سے مصافحہ ہی کیا تھا کہ مولانا نے کہا واپس چلے جاؤ تمہارا کوئی رشتہ دار آرہا ہے۔ اتنے میں چچا جان قریب پہنچ گئے۔ اور مجھے واپس جانا پڑا۔

لاہور میں آمد

مولانا اور ان کے ساتھی ہوٹل سے چلے گئے مگر ان کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حالات میں کیا تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ ہم بس میں سوار ہو کر لاہور پہنچ گئے۔ مولانا اور دوسرے ساتھیوں نے جہلم میں میری تلاش شروع کی۔ انھیں ایک سرکاری ملازم نے بتایا کہ آج عدالت میں غازی احمدؒ کی پیشی ہو چکی ہے اور والد اُسے ساتھ لے کر چلا گیا ہے یہ تو مجھے بھی علم نہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں۔ مولانا نے میرے بیانات کے متعلق دریافت کیا اس شخص نے بتایا۔ کہ وہ ابھی تک اسلام پہ قائم ہے۔ لیکن زیادہ تفصیل کا مجھے علم نہیں۔

صبح سویرے تقریباً اٹھائیس تیس آدمی بوچھال سے جہلم پہنچ گئے۔ مگر وہاں کے حالات سن کر مایوس ہو گئے۔ ہمارے ہندو وکیل نے مولانا کو بتایا۔ کہ بچے نے والدین کے حق میں بیان دے دیئے ہیں۔ اور اس نے عدالت میں کہہ دیا ہے کہ میں نے اسلام قبول کر کے غلطی کی ہے۔ میں نے اپنے سابقہ دھرم کو پھر اپنا لیا ہے اور اب میں والدین کے پاس رہوں گا۔

مولانا صاحب اور دیگر حضرات وکیل کی باتیں سن کر حیران رہ گئے کہ غازی احمدؒ سے یہ اُمید تو نہ تھی لیکن وکیل صاحب نے انھیں اپنی وکالت کے زور پہ قائل کر لیا

مولانا نے دوسرے دوستوں سے کہا۔ کہ آپ جائیں میں آج جہلم رہ کر تمام حالات کی تحقیق کرتا ہوں۔ بعد میں وہ اپنے وکیل سے ملے تو اس نے بتایا۔ کہ آپ کو ان کے وکیل نے غلط بتایا ہے۔ غازی احمدؒ کے ارادے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ دینِ اسلام پہ مضبوطی سے قائم ہے۔ مولانا کو تسلی ہو گئی۔ انھیں کسی طرح پتہ چل گیا۔ کہ والد صاحب نے لاہور کے ٹکٹ خریدے تھے۔ مولانا بھی لاہور پہنچ گئے اور میری تلاش شروع کر دی۔ مگر لاہور جیسے بڑے شہر میں صحیح پتہ کے بغیر کسی کو ڈھونڈ نکالنا جوئے شیر لانے سے کیا کم ہے۔ چار پانچ روز ہندو آبادیوں میں گھومتے پھرے اور ناکام گھر لوٹ آئے۔

جب ہم صبح بیدار ہوئے تو لاہور میں مقیم دیگر رشتہ دار بھی خبر ملتے ہی جمع ہو گئے۔ اور مجھ سے ہنسی مذاق شروع کر دیا۔ کہ بڑا آیا مذہب کا متلاشی۔ خاندان کی عزت مٹی میں ملا کر بزرگ بنا پھرتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس تمہیں کیا ملے گا جو خود دربدر خاک چھانتے پھرتے ہیں الغرض جو جس کے منہ میں آیا کہتا رہا۔ میں خاموشی سے سب کچھ سن رہا تھا۔ اور آخر میں میں نے کہا کہ میں جو فیصلہ کر چکا ہوں۔ اُسی پہ قائم ہوں۔ اب تبدیلی ممکن نہیں

میری ناتجربہ کاری

والد صاحب نے میری کیفیت دیکھ کر لاہور میں تعلیم دلوانے کا ارادہ بدل لیا۔ کہ اگر اُسے یہاں داخل کرایا گیا تو خط لکھ کر کسی کو بوچھال سے بلوا لے گا یا خود ہی بھاگ جائے گا۔

میری ناتجربہ کاری کہیئے۔ یا سیاست سے ناواقفیت۔ کہ میری صداقت ہر مرحلے پہ میری مشکلات میں اضافہ کرتی چلی گئی۔ اگر میں منافقت سے کام لیتا اور والد صاحب سے کہہ دیتا۔ کہ میں اسلام کو چھوڑ چکا ہوں۔ اور اب تمام عمر ہندو دھرم پہ ثابت قدم رہ کر گزاروں گا تو والد صاحب مجھے لاہور کے کسی ہندو سکول میں داخل کرا دیتے اور میں آسانی سے راہِ فرار اختیار کر سکتا تھا۔ لیکن اس زمانے میں میرے امکان ہی میں نہیں تھا۔ کہ میری زبان سے یہ الفاظ ادا ہوں۔ "میں اسلام ترک کر چکا ہوں" یہ الفاظ میری اس عقیدت اور محبت کے دامن پر

داغ تھے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے مکرم و محترم رسول کے لئے میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں مکین ہو چکی تھی سب مجھے یہ علم تھا۔ کہ میرے ایمان کو آزمائش کی بھٹی میں ڈال کر کندن بنایا جارہا ہے میری صغر سنی اگرچہ آزمائشوں کے بارِ گراں کی متحمل نہ تھی۔ لیکن مجھے اللہ جل شانہ، کی وسیع اور بے پایاں رحمت پہ یقین کامل تھا۔ کہ میری تھوڑی سی ثابت قدمی مجھے بہت جلد عروسِ مقصود کے وصال سے بہرہ ور کر دے گی۔ چنانچہ میں نے محبت کے معاملات میں سیاست اور منافقت کو لانا مناسب خیال نہ کیا اور میں اپنی بات پہ قائم رہا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

لاہور سے ملتان

جب ہم لاہور پہنچے تو انہی ایام میں ایک رشتہ دار کی شادی تھی۔ برات کو لاہور سے ملتان جانا تھا۔ والد صاحب کو بھی دعوت دی گئی اور دوسرے دن ہم ملتان کے لئے روانہ ہو گئے، وہاں پہنچ کر والد صاحب شادی کی مصروفیات میں جُت گئے۔ میں ایک الگ کمرے میں بیٹھ گیا۔ وہاں میز پہ کاغذ پنسل پڑا تھا۔ مولانا صاحب کو خط لکھا کہ آپ میری فکر نہ کریں۔ میں بحمد اللہ اسلام پہ قائم ہوں۔ موقعہ کی تلاش میں ہوں۔ مناسب وقت ملتے ہی بھاگ کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔

خط لکھتے والد صاحب نے کسی طرح دیکھ لیا تھا۔ تحریر کرنے کے بعد لفافہ جیب میں رکھ لیا کہ کسی لڑکے کے توسط سے پوسٹ کرا دوں گا۔

والد صاحب تشریف لائے اور فرمایا کہ غسل کر لو۔ میں نے اپنے کپڑے غسل خانہ کی دیوار پہ اتار کر رکھ دیئے اور نہانے میں مصروف ہو گیا۔ والد صاحب نے آہستگی سے وہ خط میری جیب سے نکال لیا اور چچا جان کو بھی پڑھایا کہ اس کا ارادہ تو فرار ہونے کا ہے ہمیں ذرا محتاط رہنا چاہیئے۔

میری اپنی تحریر کڑی نگرانی کا باعث بنی۔ جب میں کپڑے پہن کر باہر نکلا تو والد صاحب نے میرا خط میرے سامنے رکھ دیا۔ اور فرمایا۔ بے شرم انسان! تمہیں کب ہوش آئیگا کیوں میری عزت کو خاک میں ملانے کے درپے ہو۔ کیا تم میری طبیعت کی سختی سے واقف نہیں ہو؟ میں خود حیران ہوں۔ کہ اب تک میں کیوں تمہارے کرتوتوں کو برداشت کرتا آرہا ہوں۔ یاد رکھو اگر آئندہ ایسی کوئی حرکت تم سے سرزد ہوئی تو تمہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے

پڑیں گے۔ ابھی وقت ہے۔ سیدھی راہ پر آجاؤ۔

میں خاموشی سے سنتا رہا اور دل ہی دل میں اپنی نادانی پر کڑھتا رہا۔ اب تو والد صاحب سے ڈر لگ رہا تھا۔ مجھے علم تھا کہ والد صاحب سخت مزاج آدمی ہیں اگر کہیں سزا دینے پہ آگئے تو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ تھر در دیش بہ جانِ درویش۔ والد صاحب سے عرض کیا۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

لاہور سے کشمیر

ملتان سے واپسی پہ ہم دو تین دن لاہور میں چچا جان کے ہاں قیام پذیر رہے۔ تیسرے روز والد صاحب نے چلنے کی تیاری کی۔ اور شام کو ہم نے لاہور سے سفر کا آغاز کیا۔ نصف شب کا عمل ہو گا کہ ہم جموں پہنچ گئے۔ رات ایک سرائے میں بسر کی۔ جموں میں والد صاحب کی کافی شناسائی تھی۔ صبح والد صاحب ایک پنڈت کے گھر لے گئے۔ اور دو روز ہم نے وہیں قیام کیا۔

جموں میں آمد

پنڈت صاحب کو میرے کوائف کا پتہ چلا تو چند ایک مذہبی پمفلٹ اور کتابیں لے آئے۔ کہ میں ان کا مطالعہ کروں۔ ان کتابوں میں ایک کتاب "ستیارتھ پرکاش" مصنفہ سوامی دیانند سرسوتی صاحب کی تھی۔ اس کتاب میں قرآنی سورتوں کی تعداد کے لحاظ سے قرآن مقدس پہ ایک سو چودہ اعتراض کئے گئے تھے۔ جن میں پہلا اعتراض یہ تھا۔ کہ قرآن کریم کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین درج ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہوتی۔ تو اس کی ابتداء یوں ہوتی کہ میں اپنے نام سے شروع کرتا ہوں۔ یعنی صیغہ غائب کی بجائے متکلم کا صیغہ ہونا تھا۔ پنڈت صاحب نے فرمایا کہ جس کتاب کی ابتداء ہی غلط ہو وہ پروردگار کی کتاب نہیں ہو سکتی۔

میں نے عرض کیا جناب! میں اگرچہ ابھی اسلام میں نووارد ہوں اور اسلام کے بارے میں مجھے تفصیلی علم نہیں۔ لیکن سوامی صاحب کے اس اعتراض کا جواب بہت آسان اور واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب اپنے لئے نازل نہیں کی بلکہ بندوں کے پڑھنے اور ہدایت حاصل کرنے کے لئے اتاری ہے۔ اور بندوں کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ کہ تلاوت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے کریں۔ تو یہاں متکلم کا صیغہ ہرگز درست نہ تھا۔

پنڈت صاحب خاموش ہو گئے اور فرمانے لگے۔ میں تمہیں ہندو دھرم کی دیگر مفید باتیں بتاتا ہوں۔

سوامی دیانند کی پوری کتاب میں نے بعد میں پڑھی تو معلوم ہوا کہ سوامی صاحب عربی زبان کی ابجد سے بھی واقف نہ تھے۔ مترجم قرآن کریم حاصل کیا اور سیاق و سباق کو سمجھے بغیر لغو قسم کے اعتراضات کرتے رہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے حق پہ کاش لکھ کر ان اعتراضات کی قلعی کھول دی ہے۔ جس سے بے سر و پا اعتراضات کے تار و پود بکھر گئے ہیں۔

میں نے پنڈت صاحب سے آواگون یعنی مسئلہ تناسخ کی توضیح پوچھی۔ فرمانے لگے انسان کی روح اعمال بد کی وجہ سے مختلف حیوانات کی جون بدلتی ہے۔ یہ کتے، گھوڑے اور دیگر جانور جو ہمیں چلتے پھرتے نظر آ رہے ہیں ان میں انسانی ارواح ہیں۔ جنہیں سزا کے طور پر مختلف حیوانی اجسام میں منتقل کیا جا رہا ہے۔

میں نے سوال کیا۔ کہ مثلاً آپ اسی کتے کو لے لیں جو آپ کے صحن میں بیٹھا ہے۔ اس میں کسی بدکار انسان کی روح سزا کے طور پہ مقید ہے۔ کیا اس روح کو علم ہے کہ مجھے کن اعمالِ بد کی بناء پہ کتے کے جسم میں مقید کیا گیا ہے اور یقیناً اسے علم نہیں تو بے خبری میں اور جرم بتائے بغیر سزا دینا کہاں کا انصاف ہے۔ کیا آپ بھگوان کو عادل و منصف کہہ سکتے ہیں جب مجرم کو جرم کا علم ہی نہ ہو تو سزا کیسی ؟

اتنے میں والد صاحب تشریف لے آئے۔ پنڈت جی نے ان سے فرمایا۔ میرے خیال میں عزیزہ کا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ اتنا عرصہ مسلمانوں کے ساتھ رہنے سے اس کی سوچ ہی غلط راہ پہ چل نکلی ہے۔ والد صاحب نے فرمایا۔ میں ٹھیک کر لوں گا۔

* قیام جموں کے دوران میرے پیٹ میں درد کی شکایت پیدا ہو گئی۔ میں نے لیٹرین میں بیٹھ کر خط لکھا لیکن رات کے وقت جب کہ میں سویا ہوا تھا۔ والد صاحب نے وہ خط بھی جیب سے نکال لیا۔ اور اپنے پاس رکھ لیا۔ جیب سے خط غائب پاکر میرا ماتھا ٹھنکا کہ اب ضرور کسی مصیبت کا سامنا ہو گا۔

بھدرواہ کے لئے روانگی

ایک دو دن بعد طبیعت بحال ہوگئی تو والد صاحب سفر کی تیاری کرنے لگے۔ علی الصبح ہم بس میں بٹوت کے لئے سوار ہوگئے۔ جموں سے آگے پہاڑی راستہ تھا۔ سڑک سانپ کی طرح بل کھاتی ہوئی پہاڑ پر چڑھتی جارہی تھی۔ بلند پہاڑوں کی چوٹیاں برف کا سفید لباس زیب تن کئے تھیں۔ منظر بہت خوشگوار اور بدرح پرور تھا۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اب بھی ان وادیوں میں گشت کیجئے جو آب رواں کے نغمہ ریز جھرنوں کی راگنی سے گونج رہی ہیں۔ جہاں طیور اپنی سریلی بولیوں سے تانیں الاپ رہے ہیں۔ کوہستان کی سر بفلک چوٹیاں دیکھیے جو سمور کے جھکے ہوئے درختوں میں آنکھ مچولی کھیلتی نظر آتی ہیں یہ ایسے دلکش اور سرور انگیز مناظر ہیں جن کی تشبیہہ کنول کی سرزمین سے دی جاسکتی ہے۔

ایک حزیں دل کے لئے یہی مناظر وحشت و اضطراب کے پیامبر ہوتے ہیں۔ گلشن ہستی کا ہر پھول اس کے لئے کانٹا ہوتا ہے۔ ہر کلی چٹک کر اُسے محبوب کا سندیسہ دیتی ہے جس سے دل کی دھڑکنیں تیز ہو جاتی ہیں اور گزرے ہوئے حسین واقعات ایک ایک کر کے اس کی نگاہوں کے سامنے رقصاں دکھائی دیتے ہیں۔ انسان فطرتاً تنگ دل واقع ہوا ہے دوسروں کی مسرتیں عموماً اس کے مندمل زخموں کو پھر سے ہرا کر دیتی ہیں۔ یہی کچھ میری کیفیت تھی۔ دل مستقبل کے انجانے خوف کی وجہ سے بیٹھا جا رہا تھا۔ معلوم نہ تھا کہ پردۂ غیب سے کیا رونما ہونے والا ہے۔ اب میں مکمل طور پر والد صاحب کے بس میں تھا۔ آگے چل کر میرے خدشات حقیقت میں بدل گئے۔

بٹوت میں آمد

بٹوت پہنچ کر رات وہیں بسر کی۔ صبح بھدرواہ روانہ ہونا تھا جو بٹوت سے شاید چالیس پچاس میل کے فاصلہ پر تھا۔ بس وغیرہ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ سفر عموماً پیدل طے کیا جاتا تھا۔ خچر اور گھوڑے بار برداری کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ سامان ایک خچر والے کے سپرد کیا اور ہم باپ بیٹا پیدل چل پڑے۔ راستہ کافی خطرناک تھا بعض جگہ پہاڑ کھود کر راستہ بنایا گیا تھا۔ پہاڑ کے دامن میں عین نیچے دریا بہہ رہا تھا۔ اگر خدانخواستہ مسافر کا پاؤں پھسلے تو سوائے دریا کے کہیں نہ رُکے۔

شام تک بائیس میل کا کٹھن راستہ طے کر لیا۔ تھکن سے میرا تو بُرا حال تھا۔ رات ایک چھوٹے سے قصبہ میں گزاری، اور صبح اُٹھ کر پھر چل پڑے۔ میں تو تھکن سے چور تھا۔ ایک قدم اُٹھانا بھی محال تھا۔ مگر کیا کرتا مجبوری تھی۔ دوپہر ایک چشمے پر آرام کیا اور شام کو بھدرواہ کے قریب ایک قصبے میں پہنچ گئے۔ رات وہیں بسر کی اور تیسرے دن منزل مقصود پہ پہنچ گئے۔

بھدرواہ میں آمد

والد صاحب بھدرواہ جاتے ہی ہری کرشن اینڈ کمپنی کے ہیڈ آفس میں گئے۔ اپنی حاضری کی رپورٹ دی۔ آفس انچارج کو میرے تمام حالات سے مطلع کیا۔ وہ صاحب یہ جان کر خوش ہوئے کہ لڑکا آپ کو مل گیا ہے اور آپ ساتھ لے آئے ہیں۔ رات ہم نے کمپنی کے مہمانخانے میں بسر کی۔

صبح کی سیر

جب صبح بیدار ہوئے تو والد صاحب نے فرمایا تھوڑی دور ہی تازہ پانی کا چشمہ ہے چلو وہاں چل کر غسل کر آئیں۔ ایک اور پنڈت نما صاحب بھی ساتھ ہو لئے۔ جب ہم چشمہ پہ پہنچے تو والد صاحب اور دوسرے صاحب باتوں میں مصروف ہو گئے مقدمہ کے حالات کا تذکرہ تھا۔ والد صاحب نے مجھے کہا تم اِدھر اُدھر گھوم پھر آؤ۔ میں وہاں سے کچھ فاصلے پر چلا گیا اور قدرتی مناظر دیکھنے میں محو ہو گیا۔ کہیں آدھ گھنٹے بعد والد صاحب نے آواز دی اِدھر آؤ۔

فرمایا کیا یہ دریا تمہیں دکھائی دے رہا ہے جو عین ہمارے نیچے نصف میل کی گہرائی پر وادی میں بپھرتا ہوا بہہ رہا ہے۔ میں تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم نے جھوٹ کی آمیزش کی تو میں تمہیں دھکا دے کر دریا میں پھینک دوں گا۔ میری پہلی اور آخری بات یہ ہے۔ کہ اپنے دل و دماغ سے گندگی دور کر دو۔

قبولِ اسلام کی سزا

دو تین ماہ ہونے کو آرہے ہیں میں نے دماغ صاف کر لیا ہے والد صاحب اس تعریض کا مطلب سمجھ گئے چھڑی ہاتھ میں لی اور بے تحاشا مارنا شروع کر دیا۔ میں نے شور مچانا شروع کیا مگر میری کون سنتا تھا۔ جب کافی مار پڑ چکی تو دوسرے صاحب درمیان میں آ گئے والد صاحب نے انھیں بھی غصے سے جھڑک دیا۔ وہ صاحب سہم گئے اور ایک طرف دبک کر بیٹھ گئے۔

آج والد صاحب کا غصہ شباب پر تھا۔ کسی نے درست کہا ہے "اتقوا غضب الحلیم" یعنی حلیم الطبع شخص کے غصے سے بچو۔ مگر آج میں تو ایک حلیم شخص کے غصے کا نشانہ بن چکا تھا والد صاحب کی سزا کا مرکز میری رانیں اور ٹانگیں تھیں۔ رانوں سے خون بہہ نکلا اور میری سادی شلوار خون آلود ہو گئی۔ میں بے تاب ہو کر گر پڑا تو میرے سینے منہ اور سر پہ بوٹوں کی ٹھوکروں کی نوازش ہونے لگی۔ ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ والد صاحب جب دل کی بھڑاس نکال چکے تو فرمایا۔ چل او کتے میری آنکھوں سے اوجھل ہو جا۔ اور جہاں تیری مرضی ہے بھونکتا پھر۔

میں ابھی تک زمین پہ پڑا تھا۔ گرجدار آواز میں فرمایا۔ حرامزادے تو نے سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔ فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میں بمشکل تمام اٹھا اور ایک طرف کو چل پڑا۔ دل میں خوش ہوا کہ شاید والد صاحب نے تنگ آکر مجھے میرے خیال پر چھوڑ دیا ہے۔ میں کسی نہ کسی طریق سے لوچھال تک پہنچ جاؤں گا۔

میں نے بیس تیس قدم ہی اٹھائے ہوں گے کہ پھر تند آواز آئی۔ ارے کتے! ادھر آ کہاں جا رہا ہے۔ میں واپس لوٹا فرمایا۔ میں آج آخری فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ اب کیا ارادہ ہے میں کچھ نہ کہہ سکا۔ "منہ سے بکتے کیوں نہیں"۔ میں بدستور خاموش رہا۔ حرامزادے کے دل میں اب بھی کجی ہے۔ منہ پہ تھپڑوں کی بارش ہونے لگی۔ میں اس قدر شدید سزا کی وجہ سے پھر گرنے کو تھا کہ تھام لیا اور فرمایا۔ اب تو میرے قابل نہیں رہا تو نے مجھے تمام خاندان میں برادری میں۔ علاقے میں برسر عام اور عدالتوں میں ذلیل کیا۔ میں نے تیرے لئے پندرہ بیس ہزار روپیہ خرچ کیا۔ تیرے مسلمان جج کیساتھ میں نے تیرا سودا دس ہزار میں کیا۔ میں تجھے آرام سے زندگی ہرگز بسر نہ کرنے دوں گا۔

والد صاحب غصے سے کانپ رہے تھے۔ آگے بڑھے اور دھکا دے کر کہا حرامزادے میں تجھے ابھی دریا میں پھینکنے والا ہوں۔ دوسرا شخص والد صاحب کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ لالہ جی بھگوان کا نام پیش کرتا ہوں۔ ایسا نہ کریں۔ نادان بچہ ہے کچھ عرصہ بعد سمجھ جائے گا۔ بھگوان کے لئے اس پر رحم کریں۔ اگر آپ نے اسے دریا میں پھینک دیا تو اس کا انجام دونوں کے لئے خطرناک ہوگا۔ آپ تو کئی ہزار روپے کی ضمانت دے کر اسے لائے ہیں۔

والد صاحب بھلا کہاں ماننے والے تھے۔ فرمایا۔ میں آج زندہ نہیں چھوڑوں گا۔اسے اسلام کا مزا چکھاؤں گا۔ وہ صاحب والد کے قدموں سے لپٹ کر رونے لگے۔ والد صاحب ایک پتھر پر بیٹھ گئے فرمایا میں اپنے آپ میں نہیں ہوں ذرا مجھے سوچنے کا موقع دو۔

اللہ تعالیٰ سے گزارش

مجھے بھی تھوڑی دیر سوچنے کا موقع مل گیا۔ میں نے خاموش زبان سے اپنے رب کو پکارا۔ میرے اللہ میرا حشر تیرے سامنے ہے۔ شاید ابھی والد صاحب دریا میں دھکیل دیں اور میری زندگی اختتام کو پہنچ جائے مگر مجھے موت کا کوئی ڈر نہیں۔ میرے اللہ میں مر کر اس زخمی بدن۔ خون آلود چہرے۔ متورم ہونٹوں اور خون آلود لباس کے ساتھ تیرے حبیبؐ کے دربار میں پہنچ جاؤں گا۔ اور ادب سے عرض کروں گا۔ میرے آقا! آپ نے جو ایمان مجھے بطور امانت دیا تھا۔ میں نے اس میں خیانت نہیں کی۔ میں نے دریا میں گر کر جان تو دے دی ہے۔ مگر آپ کی عطا کردہ مقدس امانت پہ حرف نہیں آنے دیا۔ میرا جسم۔ میری رانیں۔ میری ٹانگیں اور میرے متورم ہونٹ میرے اخلاص کے گواہ ہیں۔ میرے آقا! اگرچہ میں چھوٹا سا بچہ ہوں۔ لیکن آپ کی اس شفقت نے جو آپ نے خانہ کعبہ کی دیوار تلے مجھ پہ فرمائی مجھے رستم وسہراب سے زیادہ حوصلہ عطا کر دیا ہے والد صاحب بے شک دریا میں دھکیل دیں میں تیار ہوں۔

خیالوں ہی خیالوں میں دریا میں بہتا ہوا حضور کے قدموں میں پہنچ گیا۔ اور موت کے خوف سے بے نیاز ہو گیا۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ سچ کہوں گا۔ منافقت اور سیاسی مصلحت سے کام نہیں لوں گا۔ ورنہ آقا کے سامنے ندامت ہوگی۔

زخموں کا علاج

"ادھر آؤ" والد صاحب کی آواز نے چونکا دیا۔ فرمایا شلوار اتار کر دھوتی باندھ لو۔ اور چشمے کے پانی سے منہ دھو لو۔ خود والد صاحب شلوار دھونے لگے۔ شلوار کی وجہ سے چشمے کا پانی رنگین ہو گیا۔ منہ دھونے کے بعد شدت سے درد محسوس ہونے لگا۔ میں دھوتی باندھے ہی دفتر کے مہمانخانے میں واپس ہوا۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے زخموں پر مرہم پٹی کی اور مجھے بستر پہ لٹا دیا گیا۔ خواب آور دوا کے اثر سے شاید میں جلد ہی سو گیا۔ چند گھنٹوں بعد جب آنکھ کھلی تو گرم گرم دودھ سے میری تواضع کی گئی۔ اور ہوش وحواس بحال ہوئے

مولانا کو خط دوسری صبح تک میری طبیعت سنبھل چکی تھی۔ چہرے کا ورم اتر گیا تھا۔ البتہ ٹانگوں کے زخم درد کر رہے تھے۔ والد صاحب قلم دوات اور کاغذ لے آئے میرے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا یہ قلم لو اور لکھو۔ میں نے عرض کیا۔ کیا لکھوں والد صاحب نے مضمون بتایا تو میرے ہاتھ لکھنے سے رک گئے۔ والد صاحب نے میرے چہرے پر زوردار تھپڑ جما دیا۔ کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ اور میں نے لکھنا شروع کر دیا۔ والد صاحب فقرات لکھواتے گئے اور میں تحریر کرتا گیا۔

(میرے ارسال کردہ خطوط مولانا کے پاس تھے۔ میں بعینہٖ نقل کر رہا ہوں)

مولوی عبدالرؤف

دیکھو میں نے پرماتما کی کرپا سے کھوئے ہوئے دھرم کو پھر واپس کر لیا ہے۔ یہ سب بھگوان کی دیا ہے۔ ورنہ میں نے تو ایک بار اپنی پوتر آتما کو بھرشٹ کر دیا تھا۔

اب میرے واپس آنے کی کوئی امید نہ رکھو میں تم سب کو قید کرا سکتا تھا۔ مگر بوجہ ہندو ہونے کے میرے دل میں رحم آ گیا۔ تم کو میری اس مہربانی کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔

آئندہ مت کسی ہندو کو مسلمان بنانے کی کوشش کرو۔ میں پرماتما کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا جس نے مجھے تمہاری قید سے بچایا۔ میرا کوٹ اور کمبل جو تمہارے پاس ہے میرے گھر میانی روانہ کر دو۔

از طرف

کرشن لعل۔ بھدرواہ

لفافہ پر پتہ بھی مجھ سے لکھوایا اور پوسٹ کر دیا۔

سکول میں داخلہ دو تین دن بعد جب میری طبیعت بحال ہو گئی تو والد صاحب بھدرواہ کے ہائی سکول میں لے گئے۔ تمام حالات سے ہیڈ ماسٹر صاحب کو آگاہ کیا اور بتایا کہ میں اسے آپ کے سکول میں داخل کرانا چاہتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ میرے ساتھ تعاون کریں۔ اس کی مکمل نگرانی کی جائے اور اسے مسلمان طلبہ سے ہرگز نہ ملنے دیا جائے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا کہ تمام سٹاف ہندو اساتذہ پر مشتمل ہے۔ میں سٹاف میٹنگ

کر کے سٹاف کو کوائف سے آگاہ کر دوں گا۔ ہر استاد بچے کا خیال رکھے گا۔

شام کے وقت والد صاحب نے میرے لئے کتابیں، کاپیاں اور دیگر ضروری سامان خرید لیا۔ اور دوسرے روز مجھے نویں جماعت میں داخل کرا دیا گیا۔ شدید سردی کی وجہ سے مجھے بخار آنے لگا اور صحت بحال ہونے ہوتے ہفتہ عشرہ گزر گیا۔ صحت مند ہونے پہ والد صاحب کے ساتھ سکول آیا اور مجھے جماعت نہم میں بٹھا دیا گیا۔ جماعت کے طلبہ کی تعداد تیس چالیس کے قریب تھی۔ ان میں شاید دس بارہ لڑکے مسلمان تھے۔ باقی سب ہندو۔ میرے اسلام لانے کا علم ہیڈ ماسٹر صاحب اور اساتذہ کرام کے علاوہ اور کسی کو نہ تھا۔

والد صاحب کی روانگی

والد صاحب بھدرواہ سے بائیس میل دور بھلیس میں کمپنی کے کام کے نگران تھے۔ انھیں جلد ہی اپنی ڈیوٹی پہ جانا تھا دوسرے دن انھوں نے روانگی کا پروگرام بنا لیا۔ شام مجھے ایک دوست نہال چند صاحب کے گھر لے گئے جو اسی کمپنی میں ملازم تھے۔ ان کے ساتھ والد صاحب کے گہرے مراسم تھے نہال چند صاحب کو کہا کہ میں صبح کام پہ جانا چاہتا ہوں۔ اور میرا ارادہ ہے کہ کرشن لعل کو آپ کے ہاں چھوڑ جاؤں۔ تمام اخراجات میں ادا کرتا رہوں گا۔ نہال چند صاحب مجھے اپنے ہاں رکھنے پہ رضا مند ہو گئے لیکن اخراجات لینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ عزیزہ کرشن لعل کی خدمت دھرم کی خدمت ہو گی۔ نہال چند صاحب سے والد صاحب نے کافی دیر تک تنہائی میں بات چیت کی۔ جس کا مجھے کوئی علم نہ تھا۔

والد صاحب کے الوداعی نصائح

دوسرے دن علی الصبح والد صاحب نے مجھے بیدار کیا اور فرمانے لگے اب سمجھ جاؤ اپنے حالات کو بدلو میری عزت کا خیال رکھنا۔ پردیس میں مجھے ان لوگوں کے سامنے ذلیل نہ کرنا۔ نہال چند اور اہل خانہ سے ادب و احترام سے پیش آنا تاکہ تمہاری خاندانی شرافت ان پہ عیاں ہو جائے۔ میں تمہارے اخراجات کے لئے سو روپیہ دئے چلا ہوں۔ اگر مزید ضرورت ہوئی تو مجھ سے منگوا لیں گے۔

میں نے عرض کیا آپ فکر نہ کریں۔ میں پوری شرافت سے کام لوں گا اور آپ کو

میرے رویے سے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ والد صاحب نے کچھ مذہبی قسم کی کتابیں بھی مجھے خرید دیں۔ فرمایا ان کا مطالعہ کرنا اور نہال چند صاحب کے ساتھ ہر روز صبح مندر میں حاضری دیا کرنا۔ میں نے والد صاحب کا اعتماد بحال کرنے کے لئے "ہاں" کہہ دی۔

جب سے مجھے سزا ملی تھی۔ میں مذہب کے بارے میں خاموش تھا۔ والد صاحب کو یقین ہو گیا تھا کہ اس قدر مار کھانے کے بعد اب شاید راہ راست پہ آگیا ہے۔ حالانکہ میں نے مصلحت کے تحت خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اب روز روز مار کھانے کی ہمت نہ تھی۔ میں نے والد صاحب کو مطمئن کر دیا۔ کہ آپ کی ہدایات پہ عمل کروں گا۔ آپ خط لکھ کر نہال چند صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں۔

والد کے جانے کے بعد

والد صاحب بھلیس روانہ ہو گئے اور میں نے قدرے اطمینان محسوس کیا۔ مگر معلوم نہیں کیا وجہ تھی کہ مجھے والد صاحب کی جدائی کا احساس ہو رہا تھا۔ ان کا اترا ہوا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے پھر جاتا۔ میں سوچتا کہ میں نے والد صاحب کو کس قدر پریشان کیا ہے وہ ہزاروں روپے میری وجہ سے پانی کی طرح بہا چکے ہیں۔ والد صاحب کے بارے میرے دل میں رحم و محبت کے جذبات ابھر آتے۔ اُن کے سزا دینے کے باوجود میرے دل میں کوئی انتقامی جذبہ نہ تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ کسی ایسی حرکت کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ جس سے ان کی عزت پہ حرف آئے۔

میں اپنے ارادے کی تکمیل کے لئے نہال چند صاحب کا اعتماد بھی بحال کرنا چاہتا تھا کہ نہال چند صاحب کو شکایت کا کوئی موقع نہ دوں۔ تاکہ انھیں نہ تو میرے بارے میں کسی قسم کا شک ہو اور نہ والد صاحب سے شکایت کر سکیں۔ میں نے سکول جانا شروع کر دیا۔ نہال چند صاحب کے صاحبزادے اور ایک دیگر ہم جماعت ہر وقت۔ کراماً کاتبین کی طرح میرے ساتھ رہتے۔ سکول میں اکیلے آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔ اور نہ میں تنہا کہیں آجا سکتا تھا۔ جب چھٹی کے دن کہیں بازار جانا ہوتا تو اینا لال یا بدری ناتھ میں سے ایک ساتھی ضرور میرا ساتھ دیتا۔

جب سکول سے واپس آتا تو نہال چند صاحب کی چند رشتہ دار لڑکیاں میرے کمرے میں

میں آجاتیں۔ اور اپنی الفت کا اظہار کرنے لگتیں۔ لیکن جب اسلام پر لعن طعن شروع کرتیں تو میں کمرے سے باہر نکل جاتا۔ میں سوچتا بھلا یہ کوئی دھرم ہے۔ جس کی صداقت کو دلائل کی بجائے خوبرو حسیناؤں کو ہوس کی بھینٹ چڑھا کر ثابت کیا جا رہا ہے۔ ان خوبرو لڑکیوں کا حسن۔ ان کا اظہار الفت اور ان کا عشق اسلام کی کشش کو میرے دل سے محو نہ کر سکا۔ وہ کہا کرتیں کہ اگر تم کو دلی طور پر ان مسلمانوں سے نفرت ہو جائے تو ہم میں سے جس کے ساتھ پسند کرو گے شادی رچائی جا سکے گی۔

اشیائے ضرورت کی خریداری کے لئے نہال چند صاحب کبھی نقد رقم مجھے نہ دیتے بلکہ بازار سے مطلوبہ چیز خود خرید کر لے آتے۔ ہر طرح سے میری سہولت کا خیال رکھتے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ میری نگرانی کے فرائض بھی پوری تندہی سے سرانجام دے رہے تھے۔

مولانا کو خط

والد صاحب کی روانگی کے بعد میرے نزدیک سب سے اہم کام یہ تھا۔ کہ مولانا عبدالرؤف صاحب کو خط ارسال کروں تاکہ میرے سابقہ خط سے ان کے دلوں میں جو غلط فہمیاں پیدا ہو چکی ہوں گی ان کا ازالہ ہو جائے لیکن سعیٔ بسیار کے باوجود مجھے جائے اقامت پر اتنا وقت نہ مل سکا کہ خط لکھ سکوں۔ میں نے سکول ہی میں خط لکھنے کا پروگرام بنایا اور اپنی جماعت کے ایک مسلمان طالب علم دوست محمد سے میری شناسائی ہو گئی۔ میں نے اس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اُسے اپنی داستان غم سنا دی۔ دوست محمد نے ہر طرح سے میری مدد کرنے کا اقرار کیا۔ میں نے خط لکھ کر دوست محمد کے سپرد کیا۔ تاکہ اُسے پوسٹ کر دے۔

میرا خط مولانا کے پاس محفوظ تھا۔ آپ کی آگاہی کے لئے اس کی نقل تحریر کر دیتا ہوں۔

از بھدرواہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب مولانا عبدالرؤف صاحب۔

السلام علیکم۔ اس سے قبل میرا ایک خط آپ کو مل چکا ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وہ خط میں نے اپنی مرضی سے نہیں لکھا۔ بلکہ مجھے سزا دے دے کر مجبوراً لکھوایا گیا ہے میرا کوٹ اور کمبل ہرگز میانی روانہ نہ کریں۔

الحمد للہ! میں اسلام پر حسب سابق قائم ہوں۔ ترکِ اسلام کے لئے مجھے بے حد سزائیں دی

گئی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے ایمان کی پختگی میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی۔

اس سے پہلے کئی بار خط ارسال کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ والد صاحب نے مجھے یہاں ہائی سکول میں داخل کرا دیا ہے اور خود یہاں سے بائیس میل دور ہیں۔ میں انشاء اللہ جلد ہی بھاگ کر آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا بھاگنے کا طریقہ دوسرے خط میں تحریر کروں گا۔ آپ لوگوں سے دور رہ کر میں بہت پریشان ہوں۔ آپ میری رہائی کے لیے خدا سے دعا کریں۔ میری طرف سے تمام دوستوں کو سلام۔ میرا پتہ مندرجہ ذیل ہے۔
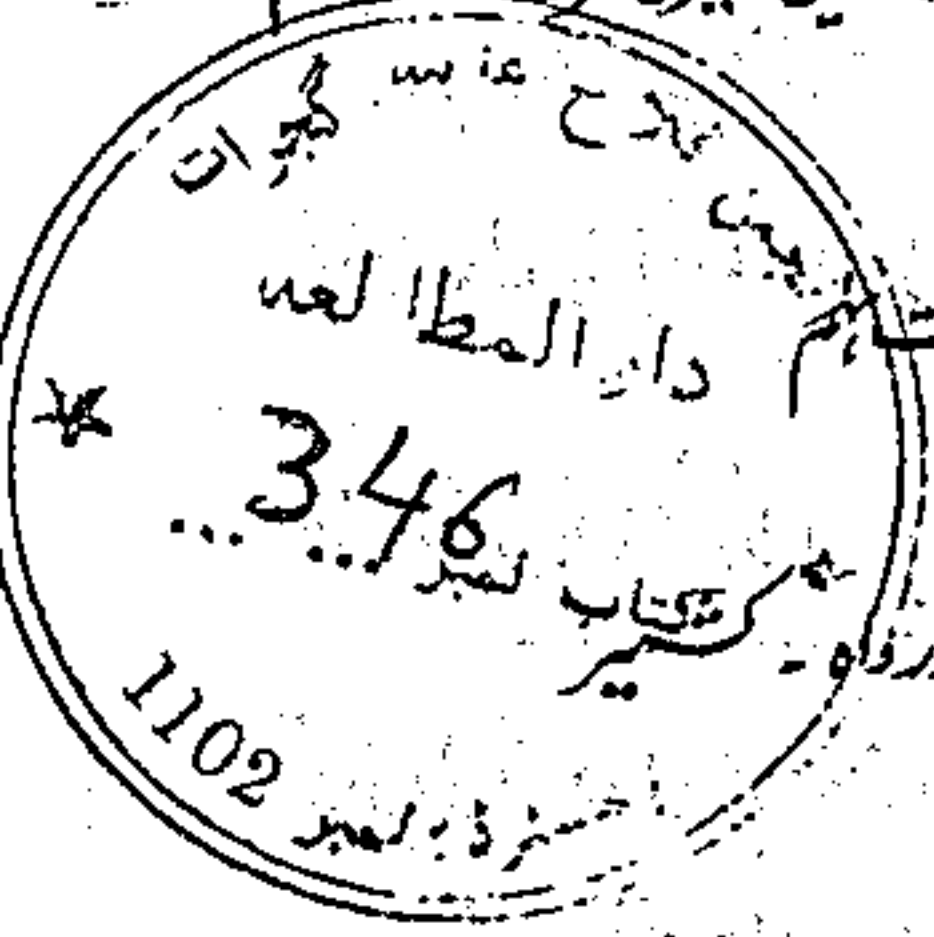
کرشن لعل جماعت نہم

معرفت نہال چند صاحب

میسرز ہری کرشن اینڈ کمپنی بھدرواہ۔ کشمیر

آپ کا خادم

غازی احمد نومسلم

بوچھال کے کوائف

اب آپ کو بوچھال کلاں کی طرف لے آتا ہوں تاکہ تصویر کا دوسرا رخ بھی واضح ہوتا جائے۔ جہلم سے روانگی کے بعد اہل بوچھال کو کچھ علم نہ تھا۔ کہ میں کہاں ہوں۔ کچھ روز تو میرا تذکرہ رہا۔ پھر خاموشی ہو گئی کہ دیکھئے حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔

جب والد صاحب کا لکھوایا ہوا خط مولانا کو ملا تو وہ پڑھ کر حیران رہ گئے۔ عشاء کی نماز پہ تمام لوگ جمع ہو گئے تو آپ نے لوگوں کو خط پڑھ کر سنایا۔ بعض حضرات کہنے لگے۔ مولانا ہم نہ کہتے تھے۔ کہ بچہ ہے مصائب کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ مولانا نے فرمایا۔ کہ خط کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ خط لکھا نہیں گیا لکھوایا گیا ہے۔ میری فراست شہادت دیتی ہے کہ غازی احمد اسلام پہ قائم ہے۔ اس نے سوچ سمجھ کر اسلام قبول کیا ہے۔ اس نعمت کو وہ ہاتھ سے جانے نہیں دے گا۔

کچھ روز بعد دوسرا خط بھی مولانا کو مل گیا ان کی مسرت کا ٹھکانہ نہ تھا۔ اسی وقت لوگوں کو بلوایا اور میرا خط سنایا۔ خط سن کر ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مولانا نے فرمایا میں نہ کہتا تھا۔ کہ غازی احمد اسلام پر قائم ہے۔

میری تحریر کے مطابق میرے دوسرے خط کا انتظار کیا جانے لگا

بھدرواہ کا تعارف

آیئے آپ کو بھدرواہ کا تعارف کرا دوں۔ اس قصبہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ آس پاس کے تمام لوگ اشیائے ضرورت کے لئے یہاں آتے میرے اندازے کے مطابق یہ قصبہ دو تین ہزار گھروں پر مشتمل ہو گا۔ ہندو حضرات آبادی کے نصف سے کم ہو ں گے۔ تجارت پر اُن کا مکمل قبضہ تھا۔ مسلم آبادی غریب تھی جنگل میں کام کرنا اور سامان اِدھر اُدھر لے جانا ان کا سب سے بڑا مشغلہ تھا۔ شہر میں کئی ایک مندر تھے جن کے سنہری کلس ایک دلفریب منظر پیش کرتے تھے۔ اس کے مقابلے میں ایک مسجد بھی تھی۔ جو شاید نمازیوں کی بے اعتنائی کی شاکی تھی۔

مندر میں حاضری

والد صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں ایک روز میں مندر میں داخل ہوا چھ بت نصب تھے ایک شیوجی مہاراج کا دوسرا سری کرشن مہاراج کا تیسرا کالی دیوی کا۔ چوتھا ہنومان مہاراج کا۔ باقی دو سے میری شناسائی نہ تھی۔

میں نے سوچا جب مندر میں آیا ہوں تو ان سے دو باتیں کرتا جاؤں۔ لعنت ہے ان لوگوں پر جو تمہیں اپنے ہاتھوں سے بنا کر معبود کے درجہ پہ فائز کر دیتے ہیں۔ تمہیں اپنا کارساز اور معبود جان کر اپنی حاجات پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ تمہارے ہاتھ میں کسی کا نفع یا نقصان نہیں۔ سب کے منہ پر ایک ایک تھپٹر رسید کیا اور یہ نذرانہ عقیدت پیش کر کے چلا آیا۔ بیچارے خاموشی سے برداشت کر گئے۔ آخر بڑے لوگوں کے حوصلے بھی بڑے ہوتے ہیں۔

اب میں بلا ناغہ سکول جاتا۔ پنا لال اور بدری ناتھ ہمیشہ میرے ساتھ رہتے اس لئے میں مسلمان طلبہ سے روابط قائم نہ کر سکا

بھلیس روانگی

سکول پانچ دن کے لئے بند ہو گیا والد صاحب کا پیغام آیا ہوا تھا کہ بھلیس کا چکر لگا جانا۔ میں دوسرے دن پنا لال کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ اس کا والد بھی وہیں ملازم تھا۔ شام گئے ہم وہاں پہنچ گئے۔ جب والد صاحب کام سے واپس آئے تو مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ گلے لگایا اور خیر خیریت دریافت کی۔

مولانا کا خط

تیسرے روز کا ذکر ہے کہ مولانا کا فرستادہ نوازش نامہ بھدرواہ پہنچ گیا۔ نہال چند صاحب نے وہ خط اپنے آدمی کے ذریعے بھلیس بھیج دیا۔ والد صاحب نے

خط کھول کر پڑھا مگر وہ کچھ نہ سمجھ سکے۔ مجھے کہا دیکھو تو سہی یہ کس کا خط ہے میں نے خط پڑھ کر والد صاحب کو دے دیا کہ اس خط میں نہ تو مکتوب الیہ کا نام ہے۔ نہ نویسندہ کا تذکرہ ہے اور نہ یہ پتہ چل سکتا ہے کہ کہاں سے آیا ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ بوچھال سے آمدہ معلوم ہوتا ہے اگر تم نے انھیں کوئی اور خط تحریر نہیں کیا تو انھیں تمہارے ایڈریس کا کیسے علم ہوا۔

میں نے کہا شاید انھوں نے میانی سے پتہ لے لیا ہو۔ والد صاحب خاموش ہو گئے۔ چوتھے دن واپسی کا پروگرام تھا۔ ان دنوں والد صاحب نے خوب خاطر تواضع کی۔ شاید انھیں یقین ہو چلا تھا کہ اب میں نے راہ راست اختیار کر لیا ہے۔

شام کو بھلیس سے واپس آنے پر مولانا کو دوسرا خط لکھا۔

مولانا کو خط

از بھدرواہ — بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب مولانا صاحب!

السلام علیکم۔ والد صاحب کے پاس گیا ہوا تھا وہیں آپ کا خط ملا۔ تحریر واضح نہ تھی والد صاحب آپ کا خط سمجھ نہ سکے اس لئے میری جان بچ گئی۔

میں نے ایک مسلمان ہم جماعت سے راہ و رسم پیدا کر لی ہے۔ آپ آئندہ میرے سابقہ پتہ پر خط و کتابت نہ کریں۔ نیا پتہ میں تحریر کر رہا ہوں۔

مقام بھدرواہ۔ ہائی سکول بھدرواہ۔ ریاست جموں۔ طالب علم دوست محمد جماعت نہم

میں دن رات یہاں سے بھاگ آنے کی فکر میں ہوں۔ آپ سو روپیہ بذریعہ منی آرڈر ارسال کر دیں میرے پاس تو نقدی کی صورت میں ایک پیسہ تک نہیں ہوتا۔

اگر بوچھال سے کوئی آدمی لینے آجائے تو بہتر ہوگا۔ کیونکہ میری عمر کے بچے کا اتنا دور دراز کا سفر اکیلے طور پر طے کرنا مشکل ہوگا۔ آپ جواب سے جلد اطلاع دیں کہ میں کیا کروں۔ میں اس ماحول میں بہت بے چین ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام پر تو قائم ہوں۔ مگر آج تک نمازوں سے محروم ہوں۔

پیسے پاس نہیں اس لئے بیرنگ خط لکھ رہا ہوں۔

آپ کا خادم
غازی احمد۔ بھدرواہ

میری نماز

خط میں نماز کے بارے میں نے عرض کیا ہے۔ اس ماحول میں نماز کا عملاً قیام تو مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ صبح و شام ہندو حضرات چار زانو بیٹھ کر اور آنکھیں بند کر کے سندھیا کیا کرتے تھے۔ میں بھی صبح و شام باقاعدگی سے یہی عمل کیا کرتا۔ اور ہر روز پانچ اوقات کی نمازیں قیام۔ رکوع اور سجود کے بغیر ادا کر لیا کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان نمازوں میں جو سوز و گداز اور لطف ہوتا تھا وہ آج کل آزادانہ نمازوں میں حاصل نہیں ہوتا واللہ اعلم کیا وجہ تھی۔ والد صاحب کے ہاں چار روزہ قیام میں بھی کوئی نماز ضائع نہ ہونے دی۔ البتہ مسلمانوں کی حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ تمام سہولتوں اور فراغت کے باوجود عبادت الٰہی سے گریزاں ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص احسان تھا کہ میں نے اس ماحول میں نماز ترک نہ کی اور مجھے یقین کامل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو رحیم و کریم ہے میری ان بے وقت اور بلا رکوع و سجود نمازوں کو قبول فرما لیا ہوگا۔

نماز کی پابندی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن اور منافق کے درمیان مابہ الامتیاز امر نماز ہی تو ہے۔ میں نے کشمیر سے بھاگ کر آزادی حاصل کر لی تو ہر وقت کی ۲۶۵ ۲۶۵ نمازیں قضا کے طور پر ادا کیں۔ تاکہ کوئی نماز میرے ذمہ باقی نہ ہو۔ الحمد اللہ چار مارچ ۱۹۳۸ء سے اب تا دم تحریر میرے ذمہ کوئی نماز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی اقامت صلاۃ کی توفیق سے نوازیں۔ آمین۔

بوچھال کے کوائف

میرا دوسرا خط جب مولانا کو موصول ہوا۔ تو انھوں نے دوستوں کو بلا کر باہمی مشورہ کیا۔ اور فرمایا۔ اگر ہم چاہیں تو غازی احمدؒ کو بے شمار روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کر سکتے ہیں۔ مگر اس سے خاطر خواہ ثمرات برآمد نہ ہوں گے۔ کیونکہ کم سنی اور ناتجربہ کاری کی بنا پر غازی احمدؒ اس قدر دور دراز کا سفر تنہا طے نہیں کر سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی پختہ کار اور تجربہ کار شخص وہاں بھیجا جائے جو اُسے ساتھ لے کر آئے۔

اب ایسے موزوں آدمی کے انتخاب کا مسئلہ تھا کہ کون اپنی جان پر کھیل کر اس عظیم ذمہ داری کی تکمیل کرے گا۔ دور دراز کا سفر تھا۔ ہندو ریاست تھی۔ قدم قدم پر گرفتاری کا خطرہ اور مصائب شاید صحیح و سلامت واپسی ممکن ہو نہ ہو۔ مولانا نے ساتھ ہی ساتھ ان خطرات سے آگاہ کر دیا۔ کہ جو شخص

بھی جائے گا جان ہتھیلی پر رکھ کر جائے گا۔

صوفی جان محمد صاحب کا ایثار

صوفی جان محمد صاحب اُٹھے اور کہا۔ مولانا میں اس مجاہدانہ کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں بمصداق قول حفیظ جالندھری ؎

غلامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
یہ سر کٹ جائے یا رہ جائے کچھ پرواہ نہیں کرتے

صوفی صاحب کا تعارف

صوفی صاحب بوچھال کلاں کے رہنے والے ہیں ان کے باپ دادا کا پیشہ حجام کا تھا۔ مگر صوفی صاحب نے اس پیشہ کو ترک کر کے سائیکل مرمت کا کاروبار شروع کر دیا۔ تمام مقدمات میں میرے ساتھ رہے۔ صرف اسلام کی سربلندی کی خاطر انہوں نے اپنا کاروبار چھوڑ کر میرا ساتھ دیا۔ مالی لحاظ سے غریب شخص ہیں مگر مذہب کے نام پر اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ انہیں حج بیت اللہ کا عشق تھا۔ جس دن حج کے لئے روانہ ہوئے اپنے ایک دوست سے پچیس روپے قرض لیکر چلے۔ کسی نہ کسی طرح کراچی پہنچ گئے۔ اور وہاں نیشنل شپنگ کارپوریشن میں ملازمت اختیار کر لی۔ اب تک الحمد اللہ سات حج اور لاتعداد عمرے ادا کر چکے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ الحاج جان محمد صاحب کو دینی و دنیوی انعامات سے سرفراز فرمائیں۔ ایسے مخلص دوست چراغ ہاتھ میں لے کر ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے مجھے تو ان کی ذات سے باپ کی شفقت ملی۔

صوفی صاحب اور رشتہ دار

جب صوفی صاحب کے رشتہ داروں کو علم ہوا کہ وہ کشمیر جا رہے ہیں تو سب ان کے گھر پہنچے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وہاں ہندو راج ہے۔ مسلمان پستی کی زندگی گزار رہے ہیں اگر تم خدانخواستہ پکڑے گئے تو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم اس علاقے سے ناواقف ہو راستے بڑے خطرناک اور پرپیچ ہیں اگر کہیں بھول گئے تو جنگل کے درندوں کا لقمہ بن جاؤ گے۔ غازی احمدؒ

ہندوؤں کی نگرانی میں ہے اس کو ساتھ لانے کی کوئی صورت نہیں اس کام میں ناکامی ہی ناکامی ہے اپنی زندگی مفت میں کیوں ضائع کرتے ہو۔

جان محمد صاحب نے پند و نصیحت سن کر جواب دیا۔ کہ میں وہاں مرجاؤں۔ یا قتل کر دیا جاؤں۔ درندوں کا لقمہ بن جاؤں یا زندہ آگ میں جلا دیا جاؤں لیکن اب وہاں جانے سے باز نہیں رہ سکتا۔ میں نے یہ ارادہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا ہے۔ غازی احمد کی مدد کرنا میرا مقدس فریضہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جان کا حقیر سا نذرانہ قبول کرلیں تو اس سے بڑھ کر میرے لئے سعادت کیا ہوگی۔

اسلام اور غربار

صوفی صاحب کے مضبوط عزم و ہمت کے سامنے ان کے رشتہ داروں کا بس نہ چل سکا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبىٰ لِلْغُرَبَاءِ ابتداء ہی میں اسلام کی خدمت کرنے والے چند غربار تھے۔ جنہوں نے جانی اور مالی قربانیاں دے کر اسلام کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ آپؐ نے فرمایا پھر ایسا وقت آئے گا جب کہ غربار ہی اسلام کے دامن میں پناہ لیں گے۔ صوفی جان محمد صاحب نے ارشادِ نبوی کی تصدیق اپنے عمل سے کر دکھائی اس گئے گزرے دور میں ایک غریب شخص اب بھی اپنی جان کی بازی لگا کر اسلام کی خدمت کر سکتا ہے اور انہی حضرات کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ اسلام صحیح و سالم صورت میں اب تک موجود ہے۔ ورنہ دیگر مذاہب کے چہرے مرورِ زمانہ کی وجہ سے مسخ ہو چکے ہیں کیونکہ انھیں اس قسم کے جاں نثار میسر نہ آسکے۔ اللہ تعالیٰ ایسے حضرات پر رحم کریں۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔ کہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن

مولانا نے کشمیر کا نقشہ فراہم کیا اور بھدرواہ کی تلاش شروع ہوئی۔ مولانا اور صوبیدار خانزمان نے صوفی صاحب کو نقشہ سے محل وقوع اور راستہ کے متعلق ہدایات دیں۔ زادِ راہ صوبیدار صاحب نے فراہم کیا۔

صوفی صاحب کی بھدرواہ روانگی

اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے صوفی صاحب نے کشمیر کے سفر کا پروگرام طے کر لیا۔ لوگوں نے

لین دین کا تصفیہ پاک کیا۔ شاید زندہ واپس آسکوں یا نہ۔ اس لئے بہتر ہے کہ لوگوں کے ساتھ لین دین صاف کرتا جاؤں۔

کتنے پاکیزہ جذبات تھے صوفی صاحب کے جو ہر مسلمان کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ صبح روانہ ہونے سے پہلے والدہ صاحبہ سے معافی طلب کی۔ اماں جی! شاید زندہ لوٹ سکوں یا اُدھر ختم ہو جاؤں اپنی خطاؤں کی معافی چاہتا ہوں والدہ نے پُرنم آنکھوں سے سلامتی کی دعا کی۔ بعد ازاں مولانا صاحب کو الوداع کہنے حاضر ہوئے اور کشتیٔ مراد کا لنگر رب تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اٹھا دیا۔

بھدرواہ کے کوائف آیئے تھوڑی دیر کے لئے بھدرواہ میرے پاس تشریف لے آیئے۔ مولانا کا جواب نہ پاکر میں بہت پریشان تھا اور الانتظار اشد من الموت کا مصداق بنا ہوا اپنے شب و روز گزار رہا تھا ڈر تھا کہ میرے خطوط کا میرے رشتہ داروں کو میانی میں پتہ چل گیا تو پھر ساری عمر کے لئے یہاں سے جانا دو بھر ہو جائے گا۔ ہندوانہ ماحول میں ذرا سکون حاصل نہ تھا۔ خوراک بھی تقریباً مشکوک قسم کی ہوتی مگر کھائے بغیر چارہ کار نہ تھا۔

اسمائے الٰہی کا ورد میرے دل کا سہارا مولانا عبدالرؤف صاحب کا بتایا ہوا ورد تھا۔ جس کو میں ہمیشہ یاد رکھتا تھا اور جس کی برکات سے میرے مصائب کا جلد ہی خاتمہ ہونے والا تھا۔ وہ مقدس الفاظ اسمائے ربانی "یا اللہ یا سلامُ" تھے۔ میں نے اپنی عملی زندگی میں ان باسعادت اسماء کی برکات لاتعداد مرتبہ ملاحظہ کی ہیں۔ نازل شدہ مصائب کے مقابلے میں یہ پاک اسماء ہمیشہ میری پناہ ثابت ہوئے۔ کیوں نہ ہو ایک تو رب العزت کا ذاتی اسم گرامی ہے جس میں دنیا کی تمام برکات موجود ہیں۔ اور دوسرا صفاتی نام ہے۔ جس کا ثمر سلامتی ہی سلامتی ہے۔ قارئین کرام بھی ان کے فوائد و ثمرات سے متمتع ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ قارئین کرام کی پریشانیوں کو دور فرمائیں۔

آغازِ سفر صوفی صاحب نے للہ ریلوے اسٹیشن سے اپنے مبارک سفر کا آغاز کیا اور براستہ سیالکوٹ جموں پہنچ گئے۔ جموں پہنچ کر بھدرواہ کا راستہ دریافت کیا۔ انھیں بتایا گیا کہ آپ یہاں سے بٹوت تک بذریعہ بس جائیں گے اور بٹوت سے بھدرواہ تک بذریعہ خچر یا پیدل سفر کرنا ہوگا۔ بٹوت پہنچ کر صوفی صاحب نے خچر کرایہ پر لیا اور رات کھلیانی میں بسر کی

دوسرے دن بھدرواہ پہنچ گئے۔ بھدرواہ کی آبادی دو حصوں میں منقسم ہے ایک بھدرواہ نگر اور دوسرا صرف بھدرواہ۔ دوست محمد بھدرواہ کا رہنے والا تھا اور میں بھدرواہ نگر میں مقیم تھا

بھدرواہ میں آمد

صوفی صاحب شام کو بھدرواہ نگر کی مسجد میں آئے اور دوست محمد کا اتہ پتہ دریافت کیا۔لوگوں نے بتایا کہ وہ تو بھدرواہ کے دوسرے حصے میں رہتا ہے اب دیر ہو چکی ہے۔ رات اسی مسجد میں قیام کریں صبح سکول میں ملاقات ہو جائے گی۔ نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی صوفی صاحب بھدرواہ روانہ ہو گئے۔ تاکہ گھر پہ ہی دوست محمد سے ملاقات ہو جائے بھدرواہ، بھدرواہ نگر سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پہ تھا۔ طلوع آفتاب سے پہلے ہی دوست محمد کے گھر پہنچ گئے۔ دوست محمد گھر پہ نہ تھا۔ اس کے بڑے بھائی نے جان محمد صاحب سے پوچھا آپ کون ہیں؟ اور کیوں تشریف لائے ہیں؟

صوفی صاحب نے بتایا کہ پنجاب ضلع جہلم سے آیا ہوں اور دوست محمد سے ملنا چاہتا ہوں دوست محمد کے گھر والے پریشان ہو گئے۔ اتنے میں دوست محمد آ گیا اور جان محمد صاحب نے انھیں تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ تب کہیں ان کی جان میں جان آئی۔

دوست محمد نے بتایا کہ کرشن لعل میرا واقف ہے وہ دو تین دن سے سکول نہیں آیا شاید بیمار ہے۔ صوفی صاحب یہ سن کر قدرے فکر مند ہوئے کہ اگر غازی احمد سکول نہ آیا تو میں کیا کروں گا۔

دوست محمد سے کہا کہ میں سکول کے باہر تمہارا انتظار کروں گا۔ سکول سے معلوم کر کے مجھے باہر آ کر بتا دینا سکول آنے پہ بھدرواہ کے ایک اور طالب علم نے بتایا کہ جہلم سے تمہارا ایک دوست آیا ہے۔ میں نے نام دریافت کیا لیکن اُسے معلوم نہ تھا۔ میں دوست محمد کا شدت سے انتظار کرنے لگا۔ اس نے سکول آتے ہی مجھے بتایا کہ جان محمد صاحب آئے ہوئے ہیں۔ نام سنتے ہی دل دھڑکنے لگا بلکہ بدن پہ لرزہ طاری ہو گیا معلوم نہیں کیوں۔

صوفی صاحب سے ملاقات

دوست محمد نے بتایا کہ وہ تمہیں لینے آئے ہیں اور سکول کے باہر درخت کے نیچے چھابڑی فروش کے پاس تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ ڈرل کے پیریڈ میں کوئی چیز خریدنے کے بہانے میں چھابڑی فروش کے پاس گیا۔ صوفی صاحب کو دیکھا کہ ایک طرف ہٹ کر بیٹھے ہیں میں نے دور سے پنجابی زبان میں کہا کہ میرے

قریب نہ آنا اور نہ مجھ سے مصافحہ کرنا ورنہ کوئی دیکھ لے گا۔ جان محمد صاحب نے پہلے ہی سوچ رکھا تھا کہ ہمیں آپس میں ملنے سے احتراز کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا اب تو میں واپس جا رہا ہوں تفریح کے وقت اس نلے کے مشرقی کنارے پہ نلے کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھ جائیں۔ میں مغربی کنارے پر کسی بہانے آجاؤنگا اور بات کر لینگے تفریح کے وقت صوفی صاحب اور میں مقام مقررہ پہ پہنچ گئے اور ایک دوسرے کی طرف پشت پھیرے باتیں کرنے لگے۔ صوفی صاحب نے بتایا میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ میں نے کہا آج تو چھٹی کے وقت تک دیر ہو جائے گی۔ کل اتوار ہے۔ اتوار کے روز میں گھر سے باہر نہیں نکل سکتا البتہ سوموار کو سکول آتے ہی آپ کے ساتھ چلنے کی کوشش کروں گا۔

صوفی صاحب نے کہا کہ ہر صورت آج ہی چلنا ہوگا۔ کیونکہ میرے یہاں آنے کے متعلق اگر میانی میں تمہارے رشتہ داروں کو خبر ہو گئی تو وہ بذریعہ تار اطلاع دے دیں گے۔ اور پھر یہاں سے جانا محال ہوگا۔

میں نے کہا بٹوت والا راستہ خطرناک ہے وہاں ٹیلیگرام کی سہولت میسر ہے۔ ہمارے وہاں پہنچنے سے قبل ہی پولیس کو اطلاع مل جائے گی اور ہمیں یقیناً گرفتار کر لیا جائے گا۔ صوفی صاحب نے کہا راستے کا فکر نہ کرو۔ اس قسم کے تمام خاطر خواہ انتظامات میں نے کر لیے ہیں۔ میں نے یہاں کے مسلمانوں سے ایک ایسا راستہ معلوم کر لیا ہے جہاں ہمارے لئے کوئی خطرہ نہ ہوگا نیز میں نے اجرت پر ایک رہبر بھی تیار کر لیا ہے جو ایک محفوظ راستے سے ہمیں کشمیر کی حدود سے باہر نکال آئے گا۔ میں اب شہر جاتا ہوں تم سکول بند ہوتے ہی بازار والی مسجد کے پاس آجانا۔ اور بستہ گھر رکھ آنا۔ میں نے کہا اگر گھر بستہ رکھنے گیا تو پھر مجھے بازار آنے کی اجازت نہ ہوگی۔ صوفی صاحب نے کہا۔ جس طرح مناسب خیال کرو۔ ویسا ہی کرو لیکن مسجد کے پاس پہنچ جاؤ۔

بھدرواہ سے فرار تفریح بند ہونے کی گھنٹی بجی۔ جان محمد صاحب شہر کی طرف چل پڑے ابھی چھٹی میں ایک پیریڈ باقی تھا۔ میں منہ بسورتے ماسٹر صاحب کی خدمت میں گیا کہ میرے پیٹ میں شدید درد ہے میں گھر جانا چاہتا ہوں۔ استاد صاحب نے اجازت دے دی۔ میں ہندو دوستوں کی نظروں سے بچتا بچاتا مقرر جگہ پر پہنچ گیا صوفی صاحب وہاں پہلے ہی موجود تھے۔ راہبر ساتھ تھا۔ اور عصر کے قریب تین آدمیوں کا یہ بے سروسامان قافلہ اللہ تعالیٰ

لے کے گھر سے رہنما منصورہ کی طرف رواں ہو گیا۔ ڈر کے مارے چہرے پہ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ دل بڑی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ مارے خوف کے قدم کا اٹھنا محال ہو رہا تھا۔ ہر دیکھنے والا ہمارے چہروں کو دیکھ کر معلوم کر سکتا تھا کہ دونوں کسی پریشانی کا شکار ہیں۔ نیز میرا لباس ہندو بچوں کی طرح تھا۔ جو ایک خطرناک علامت تھی۔ کہ یہ ہندو بچہ مسلمانوں کے ساتھ کہاں جا رہا ہے۔

جب ہم شہر کو عبور کر کے باہر نکل آئے تو ہمارے رہنما نے کہا۔ تم اتنے پریشان کیوں ہو۔ شاید تم کوئی جرم کر کے آئے ہو۔ صوفی صاحب نے کہا ہم آگے جا کر تمہیں تمام احوال سے مطلع کر دیں گے۔ جب ہم شہر کی حدود سے نکل آئے تو ہمارے دلوں کو قدرے سکون ہوا۔ ہر چار قدم کے بعد ہم مڑ کر دیکھ لیتے۔ ہمارے ساتھی نے کہا۔ اگر اصل بات نہ بتاؤ گے تو میں ایک قدم بھی آگے نہیں جاؤں گا۔ مجبوراً صوفی صاحب نے اُسے حالات سے آگاہ کیا۔ تب اس کی تسلی ہوئی۔ ہم نے اُسے تیز چلنے کو کہا تاکہ غروب آفتاب سے پہلے کافی دور نکل جائیں۔ بھدرواہ سے تیرہ میل کے فاصلے پر اسی سمت جنگل میں اس کا گھر تھا۔ سورج غروب ہونے سے کافی دیر بعد ہم اس کے گھر پہنچے۔ اس نے اپنی بیوی سے کھانا تیار کرنے کو کہا۔ ہم نے دودھ اور شہد کے ساتھ روٹی کھائی۔ صوفی صاحب نے اس سے شہد کا بھاؤ دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ ہمارے ہاں ایک روپے کا چھ سیر ملتا ہے

فرار کے بعد پہلی رات

اس کے مکان میں ایک کھڑکی نما سوراخ اسی راستے کی طرف تھا جس پر ہم آئے تھے جب دور سے کوئی متحرک روشنی نظر آئی ہمیں شبہ ہو جاتا کہ شاید ہمارے تعاقب میں لوگ آ رہے ہیں مگر ہمارا میزبان ہماری ڈھارس بندھاتا۔ ایک جگہ تین مشعلیں متحرک دکھائی دیں ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ لوگ ہمارے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ ہم نے اپنے ساتھی سے کہا (ہمارے ساتھی کا نام خطو تھا) کہ یہاں سے جلد بھاگنا چاہیے وہ دیکھو بہت سے آدمی اِدھر نظر آ رہے ہیں خطو نے کہا کہ یہ لوگ دوسرے راستے پر ہیں اور اپنے اپنے ڈیرے وال پھر واپس جا رہے ہیں

صوفی صاحب نے خطو سے یہ طے کیا تھا کہ ہمیں بھدرواہ سے بیس میل کے فاصلے تک چھوڑ آنا۔ بیس میل کے بعد ریاست جموں کی حدود ختم ہو جاتی ہیں اور ریاست چنبہ کا آغاز ہوتا ہے۔ خطو کی بیوی نے خاوند کو کہا کہ یہ تو بھگوڑے معلوم ہوتے ہیں بار بار متفکر نگاہوں سے راستے کی

طرف دیکھ رہے ہیں خطو نے اپنی بیوی کو ہمارے حالات بتا دیے تو وہ بہت خوش ہوئی۔ اور مجھے دعا
کے لیے کہنے لگی۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہم نے خطو سے کہا کہیں آگے چل کر رات بسر کرنی چاہیے۔ اس نے جواب
دیا کہ آگے راستہ خطرناک ہے برف پر سے گزرنا پڑتا ہے اور جنگل میں اگر کسی درندے نے آلیا تو کیا کریں
گے۔ یہاں رات کو کوئی نہیں آتا صبح سویرے نکل پڑیں گے جان محمد صاحب نے کچھ تلخ کلامی سے کام لیا
خطو کی بیوی نے کہا کہ ان بیچاروں کو یہاں رہنے میں خطرہ ہے ان کو فلاں رشتہ دار کے ڈیرے پر لے
چلیں وہ بادل نخواستہ ہمارے ساتھ چل پڑا۔ راستہ پہاڑی تھا۔ عمودی قسم کی چڑھائی تھی۔ راستے میں
کہیں کہیں برف موجود تھی۔ موسم خنک تھا۔ مگر ہمیں پسینہ آرہا تھا۔ تقریباً دو میل کے فاصلے پر پہاڑ
کے اوپر ایک ڈیرے پر پہنچ گئے۔ ہم نے اس مقام کو قدرے محفوظ پایا رات وہیں بسر کی اور
علی الصبح وہاں سے روانہ ہو گئے۔ طلوع آفتاب سے قبل ہم نے چار یا پانچ میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ جوں جوں
ریاست چینبہ کی حدود قریب آرہی تھی ہمارا اطمینان بڑھتا جا رہا تھا۔ خطو نے بتایا یہ بہت محفوظ راستہ
ہے اور بھدرواہ کے بہت کم لوگوں کو اس راستے کا علم ہے۔

ریاست چینبہ کی حدود

جب ہم سرحد پر پہنچ گئے تو خطو نے کہا اب میں واپس جاتا ہوں۔
ہم نے کہا ایک آدھ میل اور آگے چلیں مگر وہ نہ مانا اور کہا کہ مجھے آج
پھر بھدرواہ جانا ہے۔ خطو نے ہمارے راستے میں آنے والے ہر گاؤں کا نام اور فاصلہ بتا دیا۔ ہم نے کاغذ
پر نوٹ کر لیا۔ خطو نے گلے مل کر الوداع کہا اور دعا کی درخواست کرتا ہوا واپس چلا گیا۔

فرار کا دوسرا دن

ہم دونوں رب تعالیٰ کے بھروسے پر چل پڑے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ
پر مسلمانوں کے ڈیرے دکھائی دیتے جان محمد صاحب ان کو میرا تعارف
کراتے ہوئے کہہ دیتے کہ اگر ہندو ادھر آکر ہمارے متعلق دریافت کریں تو انھیں بتا دینا کہ یہاں سے
کوئی شخص نہیں گزرا۔ وہ ہمیں مطمئن کر دیتے۔

ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ برفانی راستہ شروع ہو گیا۔ جگہ جگہ ٹھنڈے پانی کے چشمے
پھوٹ رہے تھے۔ پہاڑوں کی چوٹیاں برف کی وجہ سے بالکل سفید تھیں۔ جنگل سنسان اور راستہ خطرناک
تھا۔ راستہ وسط کوہ کے ساتھ ساتھ سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا جا رہا تھا۔ اکثر جگہ کو کاٹ کر سیڑھیاں بنائی

گئی تھیں جہاں سے پھسلنے کا ڈر ہوتا۔ ایک جگہ برف میں بڑا سا شگاف تھا۔ ایک چوڑی لکڑی کے ذریعے شگاف کے آرپار پل بنایا گیا تھا۔ صوفی صاحب کے بعد جب میں گزرنے لگا تو لکڑی پھسل گئی۔ میں گرنے ہی کو تھا کہ صوفی صاحب نے تھام لیا ورنہ زندگی کا خاتمہ وہیں ہو جاتا۔

سورج ڈھلنے تک ہم تقریباً تیس میل فاصلہ طے کر چکے تھے۔ سفر کی وجہ سے بھوک بھی چمک اٹھی مگر وہاں پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ راستے میں ایک دکان دیکھ کر بہت خوش ہوئے لیکن دکان سے سوائے گڑ کے اور کچھ نہ مل سکا۔ اسی پر گزارہ کیا اور چل پڑے۔

ہمارے رات کے مقام قیام سے بیالیس میل کے فاصلے پر سُندلا ایک گاؤں تھا۔ عصر تک تعاقب کے ڈر سے ہم تیز تیز سفر کرتے آئے۔ مگر اب میری ہمت جواب دے چکی تھی ایک گھوڑے والے سے کہا کہ ہمیں سُندلا لے جاؤ۔ اس نے بتایا کہ یہاں سے سُندلا دس میل ہے۔ چار روپے لوں گا لیکن شام سے پہلے نہیں جاؤں گا۔ ہم نے تقریباً آدھ گھنٹہ انتظار کیا۔ وہ شخص کہنے لگا۔ اب تو میں نہیں جا سکتا۔ ہم بہت پریشان ہوئے۔ اور اسے کوستے ہوئے وہاں سے چل پڑے۔ کہ کہیں پیچھے سے کوئی آ نہ جائے۔ بھوک اور تھکاوٹ کی وجہ سے قدم اٹھانا محال تھا۔ غروب آفتاب تک بمشکل دو تین میل طے کیئے۔ ایک آدمی سے پوچھا یہاں سے سُندلا کتنی دور ہے۔ کہنے لگا بس اسی پہاڑ کی دوسری نکڑ پر ہے ہم تیز تیز چل پڑے۔ جنگل میں درندوں کا خوف بھی تھا۔ چلتے چلتے تھک گئے مگر پہاڑ کا موڑ ختم ہونے کو نہ آتا تھا۔ پہاڑ کی نکڑ ختم ہونے پر ایک چھوٹا سا گاؤں سامنے آیا۔ چند ایک ہندو مرد اور عورتیں بیٹھی تھیں۔ ہم نے پوچھا کیا ہمیں رات بسر کرنے کے لیئے چارپائیاں مل جائیں گی۔ انھوں نے جواب دیا نہیں ہم نے کہا یہی سندلا ہے۔ نہیں نہیں سندلا ذرا آگے ہے۔ وہ سامنے مکانات نظر آرہے ہیں۔ بمشکل تمام وہاں پہنچے اور دریافت کیا کہ کیا یہاں مسلمانوں کا کوئی گھر ہے۔ جواب ملا۔ ایک مسلمان یہاں رہا کرتا تھا۔ مگر گزشتہ سال وہ بھی مرگیا ہے۔ تم نیچے چلو۔ وہاں ایک دکان ہے تمہیں چارپائیاں مل جائیں گی۔ دکان پر پہنچ کر دکاندار کو جگایا اس نے کہا میرے پاس چارپائیاں تو نہیں دو تین بوریاں نیچے بچھانے کے لیئے دے دوں گا۔ ہم نے آٹا دریافت کیا تو کہنے لگا صرف چاول ہوں گے۔

سُندلا میں فرار کی دوسری رات

ہم نے دوکاندار ہی سے پکانے کا برتن لیا اور چاول پکنے کے لئے آگ پر چڑھا دیئے۔ صوفی صاحب بھی پکانے کے معاملے میں ناتجربہ کار تھے تیز آگ جلائی جس سے نیچے کے چاول تو جل گئے اور اُوپر کے کچے رہ گئے۔ ہم نے صرف چند لقمے زہر مار کئے دکاندار نے اسی وقت اپنا حساب چکا لیا تھا اور ہمیں کہا تھا۔ کہ برتن صاف کر کے رکھ دینا۔ مگر ہم میں اتنی ہمت کہاں۔ صوفی صاحب بہت سویرے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کہ اگر دکاندار کو پتہ چل گیا کہ ہم مسلمان ہیں تو ہم سے برتن کے پیسے بھی وصول کرے گا۔

سُندلا سے روانگی

ابھی دکاندار سویا پڑا تھا کہ ہم چل دیئے۔ اب حالت یہ تھی کہ میرے پاؤں پر ورم آچکا تھا۔ ٹانگیں درد کر رہی تھیں۔ سارا جسم نڈھال تھا۔ دوپہر تک بمشکل پانچ میل کا فاصلہ طے کیا ہو گا۔ ہر میل کے بعد سستانے بیٹھ جاتے۔ میں تو چلنے سے انکار کر دیتا مگر صوفی صاحب پھر حوصلہ بڑھاتے تو افتاں و خیزاں چل پڑتا۔

باتھری میں فرار کی تیسری رات

شام کے وقت ایک گاؤں باتھری پہنچے پوچھتے پھاتے ایک مسلمان کا گھر دریافت کیا مگر اس نے میزبانی کے فرائض سرانجام دینے سے انکار کر دیا۔ پھر بازار واپس آئے اور ایک ہندو دکاندار سے کھانے کے لئے پکوڑے مل سکے۔ ایک پاؤ کے قریب تھے۔ جن سے ہماری بھوک نہ مٹ سکی اور ہم بھوکے ہی سو رہے۔

ڈلہوزی میں آمد

باتھری سے پانچ میل دور مشہور صحت افزا مقام ڈلہوزی تھا جہاں سے ہمیں بس میں سوار ہونا تھا۔ میں نے صبح جان محمد صاحب سے کہہ دیا کہ سواری کا انتظام کریں۔ میں آج ایک قدم بھی پیدل نہیں چل سکتا۔ صوفی صاحب نے سواری کے لئے بڑی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ ناچار پیدل چلنا پڑا۔ ایک ایک قدم عذاب تھا خدا خدا کر کے دوپہر سے پہلے ڈلہوزی پہنچ گئے۔ کھائے پیئے بغیر تین دن کے طویل سفر نے ہمیں ادھ موا کر دیا تھا۔

امرتسر میں آمد

ڈلہوزی سے بس میں سوار ہو کر پٹھانکوٹ آئے اور وہاں سے امرتسر پہنچے سب سے پہلے ہوٹل میں گئے اور جی بھر کر تین دن کی بھوک مٹائی۔

اب امرتسر سے آگے سفر کرنے کا مسئلہ غور طلب تھا کہ کس راستے سے گھر جائیں۔ دو معروف راستے تھے۔ کہ یا تو بذریعہ چکوال جائیں یا بذریعہ للہ ریلوے سٹیشن۔ دونوں راستے خطرے سے خالی نہ تھے کیونکہ یقین تھا کہ دونوں مقامات پر والد صاحب نے بذریعہ تار اطلاع دے دی ہوگی اور ہماری گرفتاری یقینی ہوگی۔ لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ ہم لالہ موسیٰ سے ملکوال۔ کھیوڑہ۔ چوآ سیدن شاہ اور کلر کہار کے راستہ بوچھال کلاں جائیں۔ یہ راستہ تقریباً محفوظ تھا۔

امرتسر سے روانگی

امرتسر سے بذریعہ ریل لالہ موسیٰ پہنچے۔ رات سٹیشن پر گزاری اور دوسرے دن دوپہر کے وقت کھیوڑہ پہنچ گئے۔ وہاں صوفی صاحب کے ایک رشتہ دار بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ ہم ان کے گھر گئے کھانا کھانے کے بعد صوفی صاحب ٹیلیگرام دینے تار گھر گئے۔ کہ ہم کل بوچھال کلاں پہنچ رہے ہیں۔

کھیوڑہ سے روانگی

دوسرے دن کھیوڑہ سے بذریعہ بس چوآ سیدن شاہ آئے اور چوآ سیدن شاہ سے کلر کہار کی بس لی اور بخیریت کلر کہار پہنچ گئے۔ کلر کہار کے سلسلے میں بھی پولیس کا خطرہ تھا۔ مگر وہاں خیریت رہی۔

بوچھال میں استقبال کی تیاریاں

صوفی صاحب کا ارسال کردہ ٹیلیگرام جب صوبیدار خانزمان صاحب کو ملا۔ تو انھوں نے شہر میں منادی کرادی کہ آج بعد دوپہر صوفی صاحب اور غازی احمد واپس آرہے ہیں۔ تمام مرد۔ عورتیں۔ بچے بوڑھے اور جوان شہر سے نکل آئے اور لاری اڈے کی طرف چل پڑے۔ کلر کہار میں بس کچھ دیر لیٹ ہوگئی لوگ بے تاب ہو کر لاری اڈہ کی طرف چل پڑے۔

لوگوں کو یقین نہیں آرہا تھا کہ غازی احمد واپس آسکتا ہے۔ یا جان محمد صاحب زندہ لوٹ سکتے ہیں جب بس کے آنے میں مزید تاخیر ہوئی تو لوگوں کے شکوک بڑھنے لگے۔ صوبیدار صاحب نے کہا کہ تار دینے میں کہیں کوئی فراڈ تو نہیں کیا گیا۔ کہیں خواہ مخواہ ندامت نہ ہو۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ بس بھی اپنے وقت سے لیٹ ہو رہی ہے۔ کلر کہار میں پولیس نے روک نہ لیا ہو۔ لوگ کلر کہار

کی طرف چل پڑے۔ اتنے میں دور سے بس نظر آئی۔ بشارت محمد صاحب بس کی چھت پر تشریف فرما
تھے۔ انھوں نے لوگوں کا جم غفیر دیکھ کر جھنڈا لہرانا شروع کر دیا۔ جو انھوں نے کھیوڑہ میں تیار کرایا تھا
اس پر نصر من اللہ و فتح قریب تحریر کیا ہوا تھا۔ جب صوفی صاحب کو یقین ہو گیا کہ یہ بوچھال
کلاں کے لوگ ہیں تو انہوں نے آتش بازی شروع کر دی۔ اب تو لوگوں کے شکوک یقین میں بدل
گئے اور میانی اڈہ کی فضا اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھی۔ لوگوں نے میانی اڈہ پر بس رکوا
کر مجھے اتار لیا۔

میانی اڈہ پر

میانی اڈہ بوچھال سے اڑھائی میل دور ہے۔ بس سے اترتے ہی لوگ ملنے
لگے۔ ملاقات میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ صرف ہو گیا۔ مجھے گھوڑے پر سوار کرایا گیا اور
مختلف مالیتوں کے نوٹوں کے ہار میرے گلے میں ڈالے جانے لگے۔ جس سے میری گردن بھر گئی۔
اب یہ جلوس بوچھال کی طرف چل پڑا۔
اڑھائی میل کے راستہ میں لوگوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ بوچھال کا ہر متنفس شہر
سے نکل آیا تھا اور دوسرے گاؤں کے لوگ بھی ساتھ شامل ہوتے جا رہے تھے۔ لوگوں کا یہ جوش اور
ولولہ جذبۂ اسلامی کا مظہر تھا۔ ہر شخص کے چہرے پر مسرت کھیل رہی تھی۔ ہر شخص اخلاص کا پیکر تھا۔
ان جیسے مخلص عوام کو اگر مخلص لیڈر میسر آجائیں تو بقول علامہ ؎

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

بوچھال میں آمد

یہ جلوس فاتحانہ انداز سے چلتا ہوا شام سے کچھ دیر پہلے بوچھال کلاں پہنچ
گیا۔ نماز مغرب کھلے میدان میں ادا کی گئی۔ نماز سے فراغت کے بعد میں
صوبیدار صاحب کے گھر گیا۔
مولانا عبدالرزاق صاحب اس دن گاؤں میں موجود نہیں تھے۔ شام کو واپس آئے تو
ملاقات بخشنے کے لیے صوبیدار صاحب کے مکان پر تشریف لائے۔
ہفتہ عشرہ ملاقاتوں کی نذر ہو گیا۔ اس کے بعد سکول جانا شروع کیا۔ اگرچہ بہت سا قیمتی وقت
مقدمات کی نذر ہو چکا تھا تاہم مجھے نویں جماعت میں داخل کر لیا گیا۔

بھدرواہ کے کوائف

جس دن ہم بھدرواہ سے فرار ہوئے اسی دن شام کو نہال چند صاحب نے بٹوت پولیس سٹیشن کو بذریعہ تار مطلع کر دیا اور اسی روز والد صاحب کی طرف قاصد بھیج دیا گیا۔ چکوال اور تلہ پولیس کو بھی مطلع کر دیا گیا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ والد صاحب خاموش ہو گئے۔ اب ان کے لئے عدالتی کارروائی بھی ممکن نہ تھی۔ اور نہ اس کا کوئی فائدہ تھا۔ میں نے بوچھال پہنچ کر جناب والد صاحب کو خط لکھ دیا کہ میں بخریت بوچھال پہنچ گیا ہوں۔ میں وہاں سے کوئی سامان نہیں لایا۔ تمام سامان نہال چند صاحب کے گھر پڑا ہے۔ آپ وصول فرمالیں۔

والدہ سے ملاقات

میری آمد سے میانی کے تمام رشتہ دار خصوصاً والدہ صاحبہ بہت پریشان تھیں۔ آمد کے ایک ماہ بعد میں پہلی مرتبہ والدہ مکرمہ کی خدمت میں حاضری دینے گیا۔ والدہ صاحبہ مل کر رونے لگیں۔ اگر یہی کرنا تھا تو ہمیں پہلے ہی بتا دیتے ہم نے مقدمات کے اخراجات کثیرہ بھی برداشت کئے اور بے عزتی بھی۔

میں نے عرض کیا۔ امی جان! میں نے تو بارہا والد صاحب سے گذارش کی تھی۔ مگر انہوں نے میری التماس کو درخور اعتنا نہ جانا۔ انھوں نے خود بھی پریشانی مول لی۔ اور مجھے بھی تکلیف میں مبتلا کیا۔

میانی میں آمد و رفت

میں اکثر میانی آنے جانے لگا۔ اکثر باہر کے کاموں میں والدہ مکرمہ کی مدد کرتا۔ بوچھال سے سودا سلف خرید کر لا دیتا۔ والدہ صاحبہ اب مجھ سے دلی طور پر راضی ہو چکی تھیں میں نے انھیں بتا دیا تھا کہ اسلام ہمیں ماں باپ کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ میں آپ کا مخلص خادم ہوں۔ والدہ صاحبہ میرے رویے سے بہت متاثر تھیں کہ پہلے تو ہمارا اس قدر خیال نہ رکھتا تھا۔ گاہے گاہے میں دبے الفاظ میں والدہ کی خدمت میں عرض کرتا کہ جس مذہب کو میں نے قبول کیا ہے وہ بھگوان کے نزدیک سچا مذہب ہے۔ اگر بھگوان ہم ماں بیٹے کو اپنی رحمت میں پناہ دے دیں تو کیا ہی بہتر ہو۔ والدہ ماجدہ میری باتیں سن کر متاثر ہو جاتیں مگر والد صاحب کا وجود مانع تھا۔

کشمیر سے آنے کے بعد سال بھر بعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ہر مسلمان نے بڑے پیار خلوص

اور محبت سے دعوت دی۔ سال ختم ہونے کو آیا اور میں ان مشاغل کی وجہ سے تعلیمی امور کی طرف توجہ مبذول نہ کر سکا۔ دسویں جماعت میں ترقی مل چکی تھی مگر تعلیمی حالات دن بدن کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے گئے۔

تعلیمی سرگرمیاں

تعطیلات گرما کے بعد جب امتحان ہوا تو میں تمام مضامین میں تقریباً فیل تھا۔ ایک دن ملک محمد طفیل ہیڈ ماسٹر صاحب نے دفتر میں بلایا۔ تمام اساتذہ کرام بھی تشریف فرما تھے۔ ملک صاحب نے فرمایا کہ تم میری سخت گیر طبیعت سے واقف ہو۔ مگر میں تمہارا لحاظ کر رہا ہوں۔ اگر تمہاری تعلیمی حالت اسی طرح رہی تو تمہارا داخلہ نہیں بھیجا جائے گا۔ دیکھو ہندو کیا کہیں گے کہ مسلمان ہو کر نالائق بن گیا۔ اور مسلمان اُسے میٹرک بھی نہ کرا سکے امتحان میں اب صرف تین چار ماہ باقی ہیں۔ تمہارے حالات ہی ایسے تھے کہ تم ڈیڑھ سال مقدمات کی بنا پر کچھ نہ پڑھ سکے۔ سارے اساتذہ تمہاری مدد کو تیار ہیں۔ خدارا ہمیں ذلیل نہ کرو۔

ہیڈ ماسٹر صاحب کی مخلصانہ باتوں سے میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ رات دن ایک کر کے تلافیٔ مافات کی پوری پوری کوشش کرنے لگا۔ اور ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنی کامیابی کی دعا کرتا۔ یا اللہ کم از کم پاس تو ہو جاؤں۔

امتحانِ میٹرک

اس زمانہ میں ہمارا امتحانی سنٹر گورنمنٹ ہائی سکول پنڈ دادنخان میں ہوتا تھا ماسٹر غلام قادر صاحب ہمارے ساتھ تھے۔ ہم امتحان دینے والے کل سترہ طلبہ تھے۔ جن میں چودہ مسلمان اور تین ہندو تھے۔ امتحان کے دنوں میں اللہ پاک کی بارگاہ میں گڑگڑا کر دعائیں کرتا۔ یا اللہ مجھے ہندوؤں کے سامنے شرمندہ نہ کرنا ورنہ وہ میرا اور میرے مذہب کا مذاق اڑائیں گے۔

امتحان دے کر ہم واپس آ گئے۔ میرے بارے میں ہر استاد کو خدشہ تھا۔ رزلٹ کے دن ہم ڈاکخانہ میں جمع تھے ہیڈ ماسٹر صاحب نے فرمایا۔ غازی احمد تم کیوں آئے ہو تمہارا رزلٹ تو سب کو معلوم ہی ہے۔ میں نے عرض کیا میں تو دوستوں کی کامیابی کی خوشی میں شرکت کرنے آیا ہوں

نتیجہ امتحان

خدا خدا کر کے ڈاک آئی۔ تھیلا کھولا گیا۔ سترہ میں سے چودہ طلبہ پاس تھے۔ ایک فرسٹ ڈویژن چھ سیکنڈ ڈویژن اور سات تھرڈ ڈویژن میں کامیاب

ہوئے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا نتیجہ تھا کہ صرف میں ہی ۵۲۵ نمبر لے کر فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوا تھا۔ اساتذہ کرام میری اس کامیابی پر بہت خوش تھے اور ہیڈ ماسٹر صاحب کی مسرت کی تو انتہا نہ تھی۔ غازی صاحب! آپ کی یہ کامیابی ایک معجزہ ہے اور امام کی مرہون منت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کر رہا ہوں“ کی صداقت اظہر من الشمس تھی۔ میرا ایمان تھا کہ امت عالم کی دعا میرے لئے کامیابیوں اور کامرانیوں کے دروازے کھول دے گی۔

آئندہ پروگرام کے بارے میں نے مولانا سے مشورہ کیا۔ فرمایا کہ اب بہتر ہے علم دین کے حصول میں مصروف ہو جاؤ۔ جن دین کو تم نے حاصل کیا ہے ان کے علوم سے آشنا ہونا بھی ضروری ہے۔

میں کشمیر سے واپسی کے بعد جناب صوبیدار خان زمان صاحب کے گھر ہی میں رہائش پذیر تھا۔ صوبیدار صاحب نے مجھے اپنے بچوں کی طرح رکھا۔ میری ضروریات کا خصوصاً خیال رکھتے۔ ان کی بیگم صاحبہ کا رویہ بھی میرے ساتھ مشفقانہ تھا۔ مجھے ان کے گھر میں والدین کی سی محبت ملی۔ اسی لگاؤ کا نتیجہ ہے کہ آج تک صوبیدار صاحب مرحوم کے صاحبزادے ملک محمد اسحاق صاحب اور محمد اشرف صاحب مجھے اپنا بڑا بھائی خیال کرتے ہیں۔ ملک محمد اسحاق صاحب شریف الطبع، فرشتہ سیرت انسان اور دین اسلام کے متوالے ہیں۔ مشکل اوقات میں میرا ساتھ دیتے ہیں۔ اور حقیقی بھائیوں کی طرح میرے ساتھ برتاؤ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین و دنیا کے انعامات سے نوازے۔

حصول علم دین

صوبیدار صاحب کی خواہش تھی کہ میں فوج کی ملازمت اختیار کروں۔ مگر میں نے مولانا عبدالرؤف صاحب کے مشورے سے اتفاق کیا۔ اور علم دین حاصل کرنے کا پروگرام بنایا۔ اس کے بعد میں نے اپنی رہائش جان محمد صاحب کے ہاں رکھ لی۔

والد صاحب سے پہلی اور آخری ملاقات

تقریباً تین سال بعد والد صاحب گھر رخصت پر آئے۔ میں بوچھال سے اسحاق صاحب کے باغ کی طرف سائیکل پر سوار جا رہا تھا۔ راستے میں والد صاحب بوچھال جاتے نظر آئے۔ میں قریب پہنچ کر احتراماً سائیکل سے اتر پڑا۔ والد صاحب میری طرف توجہ کیے بغیر آگے بڑھ گئے۔ میں بھی بلانے کی ہمت نہ کر سکا۔ اللہ تعالیٰ کی شان میں حیران تھا کہ ایک والد حقیقی بیٹے کو

تین سال بعد ملتا ہے مگر والد اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں حالانکہ بیٹے نے کسی جرم کا ارتکاب بھی نہیں کیا جرم اتنا ہے کہ اس نے تاریکی کو ترک کر کے روشنی کو اختیار کیا۔ حق و باطل کی اس کشمکش میں لاکھوں باپ بیٹوں سے جدا ہوئے۔ میں خاموش کھڑا رہا اور دیر تک والد صاحب کو جاتے دیکھتا رہا۔ کشمیر سے آنے کے بعد والد گرامی سے یہ میری پہلی اور آخری ملاقات تھی۔

اللہ تعالیٰ کے توکل پہ مولانا عبد الرؤف کی تلمذیت میں علم کی ابتداء کی۔ شیخ عطار، گلستان، بوستان، یوسف زلیخا اور سکندر نامہ تین ماہ میں ختم کر لئے۔ بعد ازاں صرف و نحو کی طرف توجہ دی۔

چک منگلا میں آمد

چونکہ گاؤں میں تعلقات اور مراسم بہت زیادہ تھے۔ ان مصروفیات کو دیکھتے ہوئے مولانا نے مشورہ دیا۔ بہتر ہے کہیں باہر چلے جاؤ جب تک بوچھال نہ چھوڑو گے کمال تک رسائی ممکن نہ ہو گی۔ چنانچہ مولانا کے مشورے پر میں نے بوچھال کو خیر باد کہا اور چک منگلا ضلع سرگودھا میں مولانا منور الدین صاحب کے پاس پہنچ گیا وہاں صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی اور تفسیر کے ساتھ قرآن کریم پڑھا۔ لیکن وہاں جی نہ لگ سکا۔ مولانا منور الدین صاحب کیساتھ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے بارے کچھ تلخ بات چیت ہو گئی۔ میرا عقیدہ اس مسئلہ میں بالکل واضح تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ نبوت کے آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد جو شخص بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ از روئے شرع کاذب ہے۔ مولانا مرزا صاحب کو صالح اور متقی شخص کا درجہ دیتے تھے۔ میں نے مولانا کی اقتداء میں نماز پڑھنا ترک کر دیا تھا۔ مولانا کے اس عقیدے کا اثر تھا۔ کہ چک منگلا کے اکثر دوستوں نے مرزائیت قبول کر لی۔ میں نے ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۳ء کے کچھ ماہ وہاں گزارے اور وہاں سے چلنے کا ارادہ کر لیا۔

پنڈی گھیب میں آمد

منگلا کے لوگ بہت مہمان نواز تھے۔ میرے وہاں قیام کے دوران انہوں نے میری بڑی خدمت کی۔ منگلا سے سیدھا میں مدرسہ خادم الشریعت پنڈی گھیب آیا۔ مدرسہ کے منتظم اعلیٰ جناب قاضی شمس الدین صاحب تھے۔ جو اپنے وقت کے متبحر عالم ہیں۔ آج کل قاضی صاحب مدظلہ، گوجرانوالہ میں مقیم ہیں۔ قاضی صاحب کے پاس علم فقہ۔ علم اصول علم معانی و بیان علم ادب، منطق، فلسفہ کی ابتدائی کتب کی تکمیل کی۔ دو سال بعد جناب قاضی شمس الدین صاحب کو دار العلوم دیوبند میں نظر ثانی طلب کیا گیا۔

دارالعلوم دیو بند میں قیام

قاضی صاحب مجھے بھی ساتھ ہی دارالعلوم دیو بند لے گئے۔ ڈیڑھ سال تک وہاں قیام رہا اور مختلف کتابیں پڑھتا رہا۔

گجرات میں آمد

چند ایک مجبوریوں کی بنا پر مجھے دیو بند سے واپس آنا پڑا۔ میں مدرسہ عربیہ اشاعت القرآن گجرات پہنچا۔ یہ مدرسہ سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی نگرانی میں قائم تھا۔ حضرت مولانا محمد فاضل رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس تھے۔ جو علوم اسلامیہ میں بے عدیل و بے نظیر شخصیت کے مالک تھے۔ مولانا غلام رسول صاحب نے کمال شفقت و مہربانی سے پڑھانا شروع کیا۔ جناب فاضل صاحب کا سلوک بہت مشفقانہ تھا۔ میں نے یہاں رہ کر علم حدیث۔ اصول حدیث اصول فقہ۔ عربی ادب۔ عربی تحریر۔ منطق۔ فلسفہ۔ میراث۔ علم ہیئت۔ علم معانی۔ علم عروض اور علم مناظرہ کی تکمیل کی اور خدا کے فضل و کرم سے درس نظامی کا نصاب ختم کر لیا۔

استاد کی شفقت

جو چند الفاظ علم دین کے بارے میں نے حاصل کئے ہیں وہ مولانا محمد فاضل صاحب مرحوم کی توجہ اور عنایت کا ثمرہ ہیں۔ مطالعہ اور تعلیم کے حصول کے سلسلے میں تقریباً اٹھارہ گھنٹے روزانہ کتب پر صرف کرتا۔ میرے اساتذہ میری محنت پر بہت خوش تھے۔

رباعی امام شافعیؒ

امام شافعیؒ کی یہ رباعی ہمیشہ میرے پیش نظر رہی۔

شَکَوْتُ إِلَیٰ وَکِیعٍ سُوءَ حِفْظِی — فَأَوْصَانِی عَلَیٰ تَرْکِ الْمَعَاصِی
فَإِنَّ الْعِلْمَ نُورٌ مِنْ إِلٰہٍ — وَنُورُ اللّٰہِ لَا یُعْطَیٰ لِعَاصِی

حضرت شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد حضرت وکیع کی خدمت میں شکایت کی کہ میرا حافظہ کمزور ہے۔ آپ نے فرمایا معاصی سے اجتناب کیا کرو۔ کیونکہ علم دین نور الٰہی کا درجہ رکھتا ہے اور عاصی شخص اس نور کی اہلیت سے محروم ہوتا ہے۔ ایک شاعر نے اس رباعی کا ترجمہ یوں کیا ہے

حافظ شرع امام مرسلاں — افتخار و عزو ناز مقبلاں
شافعی پہ ہوں خدا کی رحمتیں — ہوں فزوں دن رات انکی عظمتیں
بیٹھے تھے اک دن وکیعؒ کے سامنے — اپنے استاد وکیعؒ کے سامنے
کی شکایت آپ نے استاد سے — قطب عالم نازش اوتاد سے

اے فقیہہ باصفا عالی جناب ہو رہا ہے حافظہ میرا خراب
سُن کے یوں بولے وکیع نامدار معصیت کو چھوڑ دے اے کامگار
علم ہے اللہ کا۔ نورِ مبین جو کسی عاصی کو مل سکتا نہیں

ارشادِ حضرت علیؓ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے جس شخص سے چند حروف بھی سیکھے اُسے آقا کا درجہ دیا اور اپنے آپ کو غلام کا۔

الحمد اللہ۔ رب العزت نے مجھے بھی اس سعادت سے نوازا۔ میں اپنے اساتذہ کے ادب واحترام کو جزو ایمان جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کہ میرے اساتذہ سب سے مجھے زیادہ عزیز جانتے مولانا محمد فاضل صاحب عالمِ شباب میں ہی دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں انھیں جوارِ رحمت میں پناہ دیں۔ امین۔

مولانا نے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات میں پنجاب یونیورسٹی میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ مولائے کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں نے چھ ساڑھے چھ سال کے عرصہ میں درس نظامی کے نصاب کی تکمیل کرلی۔ میں ہر کتاب کے ساتھ ساتھ نوٹس لے لیا کرتا تھا۔ کافی سارا تحریری مواد اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ قرآن کریم۔ علم فقہ اور علم ادب میرے پسندیدہ مضمون تھے۔

تقسیم ملک ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کا واقعہ رونما ہوا۔ اور ملک میں ہندو مسلم فسادات شروع ہو گئے۔ مجھے والدہ صاحبہ اور بھائیوں کا فکر لاحق ہوا۔ میں فوراً گجرات سے بوچھال پہنچا۔ رات ہی کو ایک قریبی موضع نور پور میں وسیع پیمانے پر قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا علی الصبح میں میانی پہنچ گیا۔ والدہ صاحبہ اور بھائیوں کو صوبیدار خان زمان صاحب کے مکان پر لے آیا۔ یہ مکان میانی اور بوچھال کے درمیان واقع ہے گھر کا قیمتی اثاثہ بھی وہیں لے آیا۔ مجھے یقین تھا کہ میری موجودگی میں کوئی شخص میرے عزیزوں کی طرف نظر بد سے نہیں دیکھ سکتا۔

والدہ چکوال کیمپ میں علاقے سے ہندوؤں کا اخراج شروع ہو گیا گورنمنٹ نے چکوال میں کیمپ قائم کر دیا۔ تاکہ ہندو حضرات وہاں جمع ہو جائیں اور فوج کی نگرانی میں محفوظ رہ سکیں۔ میں نے والد صاحب کو تار ارسال کیا۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں والدہ اور بھائیوں کو کیمپ کی بجائے اپنے پاس رکھ لوں مگر والد صاحب نے میرے بارے تلخ تجربہ کی بنا

پر اجازت نہ دی۔ مجبوراً والدہ صاحبہ اور بھائیوں کو فوجی گاڑی میں چکوال روانہ کر دیا۔

میں ہر روز باقاعدگی سے چکوال جاتا اور ضروریات کی اشیاء پہنچا آتا۔ تقریباً ایک ماہ کیمپ میں ان کا قیام رہا۔ الحمدللہ والدہ اور بھائی تو وہاں آرام سے رہ رہے تھے۔ کھانے پکانے کی تمام اشیاء میں مہیا کر دیتا تھا۔ کیمپ کے نگران فوجی حضرات میرے واقف بن چکے تھے۔ لہذا وقت بے وقت کیمپ میں جانے کی میرے لیے کوئی ممانعت نہ تھی۔ والدہ صاحبہ کی وجہ سے کیمپ کے تمام ہندو حضرات واقف تھے۔ والدہ صاحبہ سے کہا کرتے یہ بچہ تمہاری کس طرح خدمت کرتا ہے اور تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھتا ہے۔ کاش یہ مسلمان نہ ہوتا۔

خالہ کی امانت

وہ لوگ جب کیمپ میں منتقل ہو رہے تھے تو میری خالہ نے والدہ صاحبہ کی وساطت سے ایک بوری میں لپٹا ہوا کچھ مال میرے پاس بطور امانت رکھا رکھا کہ اگر ہم چکوال کیمپ میں زندہ بچ گئے تو اپنا مال واپس لے لیں گے اگر ہم مارے گئے تو یہ مال تمہارے کام آئے گا۔ میں نے کہا خالہ جان اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھیں۔ میں مال کا طالب نہیں ہوں میں نے یہ مال صوفی جان محمد صاحب کو بتا کر ان کے گھر رکھ دیا۔ ایک روز میں نے صوفی صاحب سے کہا دیکھیں تو سہی بوری میں کیا ہے۔ جب کھول کر دیکھا تو کپڑے میں تقریباً دو سیر سونا ۸۰ پونڈ اور تقریباً بیس بائیس سیر چاندی تھی۔ مال کو اسی طرح باندھ کر بوری میں لپیٹ دیا گیا۔

امانت کی واپسی

ایک دن شام کے وقت اطلاع ملی کہ صبح چکوال سے ایک سپیشل ٹرین کیمپ والوں کو لے کر انڈیا جا رہی ہے۔ مجھے فوراً امانت کا خیال آیا۔ صوفی صاحب بھی گھر پر نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے امانت کو سائیکل پر باندھا اور چکوال روانہ ہو گیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ ان دنوں یہ راستہ بھی غیر محفوظ تھا۔ چکوال کے راستے میں ایک دو جگہ سکھ حضرات کی لاشیں دیکھ چکا تھا۔ مگر ضمیر کی آواز تھی کہ جلد چکوال پہنچ کر امانت خالہ کے حوالے کروں۔ عشاء کے وقت کیمپ میں پہنچ گیا۔ فوجی حضرات نے پوچھا دیر سے آئے ہو۔ میں نے کہا ایک ضروری کام تھا۔ جب میں کیمپ میں داخل ہوا تو میری خالہ اور خالو سب آپس میں پریشان بیٹھے کہ چکوال کی رہا ہے ہمارا مال پہنچ گیا ہے۔ کیمپ کے ہندو حضرات جمع ہو گئے۔ میں نے سائیکل سے امانت کھول کر خالو صاحب کے حوالے کی کہ اپنا مال دیکھ لیں۔

دیانت کی عظمت

تمام حضرات میری دیانتداری پر بہت خوش ہوئے۔ ایک صاحب فرمانے لگے۔ ہندو خون ہے دیانتداری کیوں نہ ہو۔ میں نے کہا جی حضرت آپ غلط کہتے ہیں۔ اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو یہ مال کب کا ٹھکانے لگ چکا ہوتا۔ اسلام نے مجھے سکھایا ہے کہ امانت میں خیانت قبیح ترین جرم ہے حق دار کو اس کا حق صحیح وسالم واپس کرو۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمان تھا اور آپ کا یہ حق واپس کر رہا ہوں۔ وہ صاحب کہنے لگے اگر تمام مسلمان تمہاری طرح ہوتے تو شاید ہمیں اپنا علاقہ چھوڑ کر نہ جانا پڑتا۔

میں خود بھی امانت واپس

والدہ صاحبہ بہت خوش تھیں کہ تو نے میری عزت میں اضافہ کر دیا۔ میں خود بھی امانت واپس کر کے بہت خوش تھا کہ الحمدللہ میں نے بددیانتی کا ارتکاب کر کے اسلام کے مقدس دامن کو داغدار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے حرام رزق سے بچائے۔ اہل کیمپ نے بتایا کہ ٹرین کی اطلاع غلط تھی۔ معلوم نہیں کب آئے ہم تو کیمپ کی زندگی سے تنگ آ چکے ہیں۔

بھائی کے لئے استدعا

میں دوسرے دن چلا آیا البتہ والدہ صاحبہ سے گزارش کی کہ آپ تو بھارت چلے جائیں گے۔ پھر شاید زندگی میں ملاقات نہ ہو سکے اگر آپ میرے بھائی ارجن داس کو میرے پاس چھوڑ جائیں تو ہم کم از کم دو بھائی دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے کام آ سکیں گے۔ والدہ محترمہ نے رضامندی کا اقرار فرما لیا۔

والدہ کی اندیا روانگی

میں ہر روز چکوال جا کر والدہ صاحبہ سے ملاقات کر لیتا۔ وہ مجھ سے بہت خوش تھیں دعائیں دیتے دیتے نہ تھکتی تھیں اور میں والدہ کی دعاؤں کا طالب تھا۔ ایک دن بیمار تھا۔ میں چکوال نہ جا سکا۔ شام کو سپیشل ٹرین آ گئی اور سب ہندو چلے گئے۔ تیسرے دن جب میں کیمپ میں پہنچا تو حیران رہ گیا۔ معلوم ہوا کہ کل صبح ٹرین جا چکی ہے۔

وہاں ہوٹل کے مالک ملک غلام محی الدین صاحب نے بتایا کہ تمہاری والدہ تمہارے ایک بھائی کو میرے ہوٹل پر چھوڑ گئی تھیں۔ مگر تمہارے دوسرے رشتہ دار آ کر اسے لے گئے۔ افسوس کہ میں اپنی ماں اور بھائیوں کو الوداع بھی نہ کہہ سکا۔ بھائی کے جانے کا بہت افسوس تھا۔

اختیار اپنا راستہ تلاش کر رہے ہے

ہوٹل پر بیٹھ کر رونے لگا۔ ملک صاحب نے ہمت بندھائی۔ مگر آنسو بہے جا رہے تھے۔ روتے دھوتے چکوال سے واپس لوٹا۔ اب پاکستان میں میرا کوئی رشتہ دار باقی نہ تھا میں تنہا تھا۔

بھارت سے خط

راستے کے بارے میں بہت فکر تھا۔ ان دنوں ٹرینوں پر حملہ کرنے کی اہل بھارت نے ابتدا کر دی تھی۔ دعائیں مانگتا رہا کہ والدہ مکرمہ اور بھائی بخیریت بھارت پہنچ جائیں۔ بھائی کا خط آنے پر اطمینان نصیب ہوا۔ وہ ریاست نالہ گڑھ میں مقیم ہو گئے۔ دو بھائیوں نے وہاں جاکر میٹرک کر لیا۔ درمیانہ بھائی ساتویں جماعت سے گیا تھا۔ خرابیٔ صحت کی بنا پر اس کی تعلیم نامکمل رہی۔ تینوں بھائی وہاں جاکر ملازم ہو گئے۔ دو فوج میں ایک سول میں۔

والد کی وفات

والد صاحب تقسیم ملک کے دوسرے سال فوت ہو گئے۔ والدہ صاحبہ اور بھائی سٹھورہ ضلع انبالہ میں آگئے اور اب تک وہیں مقیم ہیں۔

والد صاحب کی وفات کے بعد میں نے والدہ صاحبہ کو خط لکھا۔ کہ میرا ہندوستان آنا تو ممکن نہیں ہندو ہر مسلمان سے تعصب رکھتے ہیں اور نومسلم تو انھیں ایک آنکھ نہیں بھاتا۔

واہگہ سرحد پر ملاقات

کیا ہی اچھا ہو اگر واہگہ سرحد پر ملاقات کر لیں۔ تاریخ مقرر ہوئی۔ والدہ صاحبہ اور ارجن داس واہگہ پہنچ گئے۔ میں بھی صوفی جان محمد صاحب کو ساتھ لے کر لاہور روانہ ہو گیا۔ صبح سویرے واہگہ سرحد پر پہنچ گیا۔ مگر چیک پوسٹ آفیسر نے ملاقات کی اجازت سے انکار کر دیا کہ پہلے گورنمنٹ کی اجازت حاصل کرو۔ تب ملاقات کر سکتے ہو میں نے گذارش کی وہ سامنے خاردار تار کے اس طرف میری والدہ اور بھائی بیٹھے ہیں۔ اگر میں اجازت حاصل کرنے چلا گیا تو ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ مگر صاحب موصوف نے انکار کر دیا۔ یہ حالات دیکھ کر میرے آنسو ٹپک پڑے اتنے میں ایک معزز خاتون خیمے میں داخل ہوئیں۔ میرے رونے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے تمام حالات سے خاتون کو آگاہ کیا۔ ان کا دل بھر آیا اور مجھے ملاقات کی اجازت اس خاتون کی وجہ سے مل گئی۔

تقریباً ایک گھنٹہ والدہ صاحبہ سے گفتگو کی۔ یہ میری اور والدہ مکرمہ کی آخری ملاقات تھی۔ بھائیوں سے پھر نہیں مل سکا۔

بوچھال سے میانی

والدین کے جانے کے بعد میں نے بوچھال کی رہائش ترک کر دی اور آبائی گھر میں منتقل ہو گیا اور اب تک اسی میں رہائش پذیر ہوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نیرنگیاں ملاحظہ ہوں۔ کہ جس گھر کو میں نے اسلام کی وجہ سے الوداع کہا تھا۔ اسی گھر

میں اسلام نے مجھے دوبارہ پناہ دی۔ سچ ہے تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ

والدین کی اراضی

والدین کی مزروعہ اراضی دس بارہ سال تک میرے ہی قبضہ میں رہی۔ مگر بعد میں ایک مسلمان تحصیلدار کی کرمفرمائی سے کسی اور شخص کو الاٹ کر دی گئی کیونکہ میں رشوت کی رقم فراہم نہ کر سکا۔ اگر میرے پاس رقم ہوتی بھی تو میں رشوت دینے پہ تیار نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے آج تک رشوت لینے اور دینے دونوں برائیوں سے بچائے رکھا ہے۔ میرا دل زمین کھو کر بھی مطمئن تھا۔ میں نے زمین کے لئے تھوڑا ہی اسلام قبول کیا ہے۔ میرا رزق دینے والا میرا اپنا ہے مجھے کیا غم ہے؟ اور الحمد للہ رب العزت کی عنایت سے میں پرسکون زندگی بسر کر رہا ہوں۔

مولوی فاضل میں اوّل پوزیشن

مئی ۱۹۴۸ء میں مولوی فاضل کا امتحان دیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پنجاب یونیورسٹی میں اوّل رہا اور میڈل حاصل کیا۔

بطور استاد

یکم نومبر ۱۹۴۸ء کو ڈسٹرکٹ بورڈ مڈل سکول نور پور ضلع جہلم میں میری تقرری غیر تربیت یافتہ استاد (UNTRAINED TEACHER) کے طور پر ہوئی۔ بیس روپیہ تنخواہ اور تیس روپیہ مہنگائی الاؤنس تھا۔ ۱۹۴۹ء میں منشی فاضل کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کر لیا۔ راولپنڈی ڈویژن میں سرفہرست رہا۔ مڈل سکول نور پور میں ساتویں اور آٹھویں جماعت کو اُردو اور فارسی پڑھاتا تھا

میری شادی

اپنی شادی کے متعلق بھی آپ کو بتاتا ہوں۔ ملازمت سے قبل شادی کے سلسلے میں دس بارہ جگہ بات چیت ہوئی۔ یہ گفتگو عموماً جان محمد صاحب کے توسط سے ہوتی تھی۔ لیکن کسی جگہ بھی بات پکی نہ ہو سکی۔ لڑکی والوں کی بعض شرائط سے مجھے اتفاق نہ ہوتا۔ اور میری بعض شرائط ان حضرات کے لئے قابل قبول نہ ہوتیں۔ اسی کشمکش میں شادی کا یہ سلسلہ ٹوٹتا رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ایک موزوں ترین رشتہ مقرر کر رکھا تھا۔ جس کی بنا پر صوفی صاحب کی مساعی بار آور نہ ہو سکیں۔

نور پور سکول میں ملازمت کے دوران نور پور کے لوگوں سے کافی واقفیت ہو گئی۔ نور پور کے ایک معزز شخص قاضی محمد رشید صاحب ایک دن سکول تشریف لائے ان کا لڑکا محمد امین سکول میں ساتویں کا طالب علم تھا۔ کافی دیر بچے کے متعلق گفتگو کرتے رہے مجھ سے پوچھا کیا آپ شادی شدہ

ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ فی الحال میں نے شادی نہیں کی۔ قاضی صاحب دوسرے دن پھر تشریف لائے۔ اور مجھے بلا کر الگ لے گئے۔ فرمایا میں نے کل گھر جا کر اپنی بیوی سے آپ کے بارے بات چیت کی۔ میری بیوی کو یاد ہے کہ جب آپ نے اسلام قبول کیا تھا۔ وہ آپ کے اس واقعہ سے بہت متاثر ہیں۔ کافی سوچ بچار کے بعد ہم نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے مدنظر ہم اپنی بڑی لڑکی کا رشتہ آپ کو دیں۔ میں قاضی صاحب کے ایثار سے بہت متاثر ہوا۔ کہ یہ لوگ صرف رضائے الٰہی کی خاطر مجھ پہ احسان کر رہے ہیں۔ میں نے قاضی صاحب سے گزارش کی کہ میں دو تین روز کے بعد آپ کو صحیح جواب سے آگاہ کروں گا۔

صوفی جان محمد صاحب سے ایک اور صاحب نے رشتہ کی بات چیت کی ابتدا کر رکھی تھی۔ مجھے بوجوہ وہ رشتہ ناپسند تھا۔ میں سکول سے فارغ ہو کر صوفی صاحب کے پاس پہنچا اور قاضی صاحب کی بات چیت سے انھیں آگاہ کیا۔ صوفی صاحب میری بات سن کر حیران ہوئے اور کہنے لگے اگر اس قدر معزز گھرانے میں رشتہ مل جائے تو اور کیا چاہیئے۔ میں ان سب حضرات سے واقف ہوں بہت نیک، دیندار اور خوشحال لوگ ہیں۔ نیز علاقے میں ہر شخص ان کی شرافت کا معترف ہے۔ آپ ان سے بات چیت کریں میں بھی نور پور جا کر ان کا شکریہ ادا کروں گا۔

تیسرے دن عزیز محمد امین کے ذریعے میں نے قاضی صاحب کو سکول تشریف لانے کے لئے پیغام دیا۔ جب قاضی صاحب تشریف لے آئے تو میں نے عرض کیا۔ قاضی صاحب! میں نے صوفی صاحب سے بات کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ لوگ ایک دفعہ میانی آ کر میرا ماحول اور گھر بار دیکھ لیں۔ لیکن قاضی صاحب نے جواب میں فرمایا۔ ہم گھر بار دیکھ کر رشتہ نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر یہ اقدام کر رہے ہیں۔ میں نے "ہاں" کہہ دی۔ چنانچہ شادی کا سلسلہ طے ہو گیا۔

میرے سسرال

میرے سسرال میں کچھ حضرات مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھتے ہیں اور باقی حنفی مکتب فکر سے متعلق ہیں۔ قاضی صاحب کے چار لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔ خدا کا فضل ہے کہ قاضی صاحب کا پورا گھرانہ دین کا مرقع پیش کرتا ہے۔ بچے بچیاں سب پابند صوم وصلاۃ ہیں۔ بڑے لڑکے رشید احمد صاحب اور ان سے چھوٹے رفیع الدین صاحب ٹرانسپورٹ کا کاروبار کرتے ہیں۔ رشید صاحب نے اپنے والدین کو حج بھی کرا دیا ہے۔ ان کے تیسرے لڑکے محمد امین

صاحب کو مجھ سے بہت زیادہ لگاؤ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں پُرخلوص دل سے نوازا ہے۔ اُن کے شب و روز دینی کتب کے مطالعے اور یادِ الٰہی میں صرف ہوتے ہیں۔ تصوف سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں۔ مجھ پر ان کے ان گنت احسانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں نیک اور عمدہ بدلہ دیں۔ اُنھوں نے مجھے حقیقی بھائی سے بڑھ کر پیار دیا ہے۔ سب سے چھوٹے لڑکے عبدالوہاب صاحب ایم۔ اے اکنامکس ہیں

نورپور سے بوچھال سکول میں

یکم نومبر ۱۹۴۹ء کو میرا تبادلہ مڈل سکول نورپور سے ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول بوچھال کلاں میں ہو گیا۔ ڈی بی ہائی سکول بوچھال کلاں یکم اکتوبر ۱۹۵۱ء سے گورنمنٹ نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ اور میں بھی مذکورہ تاریخ سے گورنمنٹ سروس میں داخل ہو گیا۔

شادی کی تقریب

۱۲ر دسمبر ۱۹۵۳ء میری شادی کا دن مقرر کیا گیا۔ اس موقع پر میں نے والدہ مکرمہ کو بھی اطلاع دی۔ کہ آپ کے بڑے بیٹے کی شادی ہو رہی ہے۔ مگر اس مسرت کے موقع پر میں آپ کی شفقت سے محروم رہوں گا۔ چند دوستوں نے اس خط کی نقل ماہنامہ تصوّر کو بھیج دی۔ چنانچہ یہ خط تصور کے دسمبر ۱۹۵۴ء کے شمارے سے نقل کر رہا ہوں تاکہ آپ کو علم ہو جائے کہ شادی کے موقع پر میرے جذبات کیا تھے۔

والدہ کو خط

پیاری والدہ! مبارک ہو۔ میری شادی ۱۲ر دسمبر کو منعقد ہو رہی ہے کیا آپ شریک نہ ہوں گی؟ میری خوشی بھی تشنۂ تکمیل رہے گی۔ آپ جانتی ہیں۔ کہ انسانی زندگی میں یومِ عروسی پرمسرت خواب کی ایک حسین اور پرمسرت تعبیر ہے۔ تمام عالم کی خوشیاں اور مسرتیں سمٹ کر انسان کے دل میں سما جاتی ہیں کائنات کا ہر ذرہ اس کی نگاہ میں رقصاں دکھائی دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ستم رسیدہ اور مظلوم افراد کا نالہ و شیون بھی اس کے کان میں گیت بن کر گونجتا ہے۔

ماں! مگر میرے خواب کی تعبیر۔ چند افسردہ آہیں۔ کچھ گرم آنسو۔ سازِ زندگی کے ناتمام اور اداس نغمے۔ منزلِ حیات کے ٹمٹماتے چراغ۔ راہِ زیست کے مٹے مٹے نقوش۔ کلبۂ احزان میں روشنی کی ایک افسردہ جھلک۔ رونقِ ظاہری پر سسکتے ارمان۔

میرا احساس دل آپ کی قلبی کیفیات کو محسوس کر رہا ہے۔

اے میرے دل کی خزاں رسیدہ بہارو! مجھے تم سے نفرت نہیں۔ بلکہ تم میرے دل کی اتھاہ

گہرائیوں کی مکین ہو۔ میرے جذبات کی ڈانواڈول کشتی جو کشمکشِ حیات کے گرداب میں ہچکولے کھا رہی ہے تم اس کے لئے روشنی کا مینار ہو۔ میری مسرتوں کے لئے یہ دن سراب کی سی کیفیت کا حامل ہے۔"

ملبوسات عروسی کے یہ ریشمی تار اپنے اندر ہزاروں اداسیاں اور ارمان لپیٹے ہیں۔ میری اداس مسرت میں شرکت کرنے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ میں خوش ہوں۔ مگر راکھ بھی کبھی جلی ہے؟ لاش بھی کبھی زندہ ہوئی ہے؟

آج کون ہے؟ جو میرے دل کی گہرائیوں میں جھانک سکے۔ میرے آنسوؤں کا ادراک ان کی عقل سے بلند ہے یہ بے درد لوگوں کا ظلم ہے جو کہا کرتے ہیں کہ خوشی کے آنسو ٹھنڈے اور غم کے آنسو گرم ہوا کرتے ہیں۔ میں تو خوشی کے آنسوؤں کی حرارت سے جلا جا رہا ہوں۔

میرا دل پیاری والدہ اور عزیز بھائیوں کے سوا ویران ہے۔ وہ درخت جس کی جڑیں بھی غم کے طوفانوں کی وجہ سے کھوکھلی ہو چکی ہوں کیا بادِ نسیم اور رابہ بہاری اس درخت میں تازگی و شادابی پیدا کر سکتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ البتہ بارش کے قطرات اس کے بیرونی گرد و غبار کو دھو ڈالتے ہیں مگر باطن پر اثر کرنے سے قاصر۔

بس ماں! میں آپ کو زیادہ پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ آپ کی مراد بر آ رہی ہے۔ آپ کے بڑے بیٹے کی شادی ہے۔ لیکن آپ کی صورت مجھے اداس کیوں نظر آ رہی ہے۔

ماں! آپ کی افسردہ آہیں میرے دل کے خس و خاشاک کو خاکستر کر دیں گی آپ کے آنسو میرے دل کے ٹمٹماتے چراغ گل کر دیں گے۔

میں اپنی شادی کی خوشی میں والدہ کے حضور مسرت و غم کا ملا جلا تحفہ پیش کرتا ہوں مگر میں اپنی پیاری ماں سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس موقع پر اپنے بڑے بیٹے کے لیے مسکراہٹوں اور مسرتوں کا ایک حسین سہرا تیار کرے گی۔ لیکن ماں میری ایک گزارش ..... میں آنسوؤں کا ہار قبول نہیں کروں گا اُسے گلے میں ڈالنے سے میری ناتمام مسرتوں کے مدھم نقوش بھی مٹ جائیں گے۔

میں آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ آپ میرے خط سے پریشان ہو گئیں۔ لیکن یہ میرے دل کی آواز تھی۔ جسے میں پوشیدہ نہ رکھ سکا شاید یہ عریضہ شادی کی رسوم کے بعد شرفِ قدمبوسی حاصل کر

کرتے مگر آپ لوگ ابھی سے کیوں خوش نہیں ہو جاتے۔ میری خوشی آپ کی مسرتوں میں مضمر ہے۔

آپ کا بیٹا

غازی احمدؒ

صالحہ بیوی

۱۳ر دسمبر کو شادی کی رسومات سے فراغت پائی اور ایک نئی زندگی کا آغاز ہوا اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ شادی کے سلسلے میں بہت خوش قسمت ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نیک سیرت۔ شریف الطبع۔ دیندار۔ پابند صوم و صلاۃ اور تہجد گزار رفیقۂ حیات عنایت فرمائی۔ ہمارے درمیان آج تک تلخی و رنجش کی نوبت نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے ہمارا گھر امن و سکون کا گہوارہ ہے۔ یہ سب میرے آقا کی دعا کا نتیجہ ہے۔ صلی اللہ علی نبی الرحمۃ۔

پہلا بیٹا

۲۶ر جنوری ۱۹۵۵ء کو اللہ رب العزت نے ہمیں چاند سا بیٹا عطا کیا۔ طاہر جمیل نام رکھا۔ اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے امسال بیٹے نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کر لیا ہے اور اب پاک فوج میں کیپٹن ڈاکٹر کے فرائض سرانجام دے رہا ہے اللہ تعالیٰ اُسے دینی و دنیوی انعامات سے نوازیں مقام مسرت ہے کہ عزیز طاہر جمیل بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت حاصل کر چکا ہے۔ خواب کا پس منظر اور تفصیل یوں ہے۔

بیٹے کو خواب میں حضور اکرمؐ کی زیارت

ایک بار گورنمنٹ انٹر کالج کے طلبہ نے مرکزی حکومت کی ایک مقتدر شخصیت کو یونین کی ایک تقریب کے سلسلے میں کالج میں مدعو کیا۔ حکومت پنجاب کی ایک بااثر شخصیت نے پرنسپل جناب عبدالسلام قریشی اور مجھ پر اظہار ناراضگی فرمایا۔ حالانکہ دعوت دینے میں ہمارا دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ معلوم ہوا کہ پرنسپل صاحب اور میرے تبادلے کے احکام جاری ہو رہے ہیں۔ میں ان دنوں کچھ پریشان تھا۔ عزیز طاہر جمیل نے خواب میں دیکھا کہ میں اور اباجان ایک جنگل میں کھڑے ہیں۔ سامنے سے ایک شخص تلوار ہاتھ میں لیے چلا آ رہا ہے۔ میں نے محسوس کر لیا۔ کہ یہ شخص اباجان پر حملہ کرنے والا ہے۔ میں دفاع کے لیے دو تین قدم آگے بڑھ گیا۔ ابھی وہ شخص ذرا دور ہی تھا۔ میں نے مڑ کر اباجان کی طرف دیکھا لیکن اباجان وہاں نہیں تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے پایا۔ میں احتراماً پیچھے ہٹ آیا۔ میرے دل میں فوراً یہ خیال آیا کہ یہ شخص حضورؐ پر حملہ آور ہوگا۔ جس طرح صحابہ کرام حضورؐ کے

دفاع کے لئے جان قربان کرتے تھے۔ آج میں بھی آپ کے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔ اتنے میں وہ شخص قریب آگیا میں اس سے لڑنے کے لئے قدم بڑھانے ہی والا تھا کہ حضور نے اشارہ کر کے منع فرما دیا۔ میں حسب حکم کھڑا ہو گیا۔

اتنے میں تلوار بردار شخص قریب پہنچ گیا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی اور عرض کیا۔ آپ مجھے مسلمان کریں۔ چنانچہ وہ شخص اسلام لے آیا۔ میں بہت خوش ہوا۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔ طاہر جمیل یہاں کوئی مسجد قریب ہے ؟ میں نے عرض کیا حضور قریب ہی ایک پرانی مسجد ہے۔ فرمایا آؤ مغرب کی نماز پڑھ لیں۔ ہم حضور کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے آپ نے جماعت کرائی ہم دونوں آپ کی اقتدا میں کھڑے تھے۔ آپ نے پہلی اور دوسری رکعت میں جہر سے قراۃ فرمائی اور تیسری میں سری اختتام نماز پہ آپ نے سلام پھیرا اور دعا فرمائی۔ میں ابھی مغرب کی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔

جب بچے نے اپنا خواب مجھے سنایا تو میں بے انتہا خوش ہوا۔ اور کالج میں جا کر پرنسپل صاحب کو بتایا کہ قریشی صاحب بے فکر ہو جائیں اب کوئی شخص ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہمارے خدشے دور ہو گئے۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ میرا دوسرا بچہ اور میری بڑی بچی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہیں ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔

امتحان ایف اے

منشی فاضل کے امتحان کے بعد کثیر مصروفیات کی بناء پر ایک دو سال کے لئے تعلیمی مشاغل میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایف اے کے امتحان کی تیاری شروع کر دی ۱۹۵۴ء میں ایف اے کے امتحان میں شمولیت کی۔ بفضل اللہ فرسٹ ڈویژن لے کر پرائیویٹ طلبہ میں پنجاب میں دوم رہا۔ وظیفے کا مستحق قرار دیا گیا۔

بی۔ اے

۱۹۵۶ء میں بی۔ اے کا امتحان دیا۔ توفیق ایزدی سے فرسٹ ڈویژن حاصل ہوئی اور پرائیویٹ طلبہ میں امتیازی پوزیشن حاصل کی

بی۔ ایڈ

۱۹۵۷ء میں بی۔ ایڈ کے سلسلے میں سنٹرل ٹریننگ کالج۔ لاہور میں داخلہ لیا۔ کالج کے اساتذہ کرام میرے ساتھ بہت محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ جناب پروفیسر

فضل احمد صاحب ایم۔ اے (فارسی۔ اکنامکس۔ پولیٹیکل سائنس) ایم ایڈ (امریکہ) نے میرے ساتھ بیٹوں جیسا برتاؤ کیا۔ ہر روز ہاسٹل میں میرے پاس تشریف لاتے اور میری ضرورت کی کوئی چیز ضرور ساتھ لاتے۔ بلکہ کالج کے قیام کے دوران میری مالی مدد بھی فرماتے رہے۔

کالج کے پرنسپل جناب ایم۔ اے مخدومی صاحب اور وائس پرنسپل جناب ہارون صاحب بھی میرا خاص خیال رکھتے تھے۔ ہاسٹل میں مجھے چیف پریفیکٹ منتخب کیا گیا تھا۔ طلبہ سے بھی تعلقات بہت اچھے تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف صاحب کو میری تعلیمی ضروریات کا خاص خیال ہوتا۔ قدم قدم پر میری مدد کیلئے تیار رہتے۔

۱۹۵۷ء میں جب بی ایڈ کر کے فارغ ہوا اور جناب پرنسپل صاحب سے الوداعی ملاقات کیلئے گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اب آئندہ کیا پروگرام ہے۔ میں نے عرض کیا۔ جناب ایم۔ اے (عربی) کا ارادہ ہے فرمایا پاس کر لو گے؟ جناب میں انشاء اللہ پہلی پوزیشن حاصل کروں گا۔ فرمایا جب رزلٹ نکلے تو مجھے مطلع کرنا۔

ایم اے عربی

۱۹۵۸ء میں ایم اے عربی کا امتحان دیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے پنجاب یونیورسٹی میں اوّل رہا۔ اور تین میڈل حاصل کیے۔ ساتھ ہی ایم۔ او۔ ایل کی ڈگری بھی مل گئی حسب وعدہ میں نے مخدومی صاحب پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کو عریضہ ارسال کیا کہ میں نے ایم اے عربی میں نمایاں کامیابی حاصل کر لی۔

ٹریننگ کالج لاہور میں تقرری

تھوڑے ہی دنوں میں مجھے ڈی پی آئی آفس لاہور سے خط ملا۔ کہ بطور لیکچرار تمہاری تقرری سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مخدومی صاحب کو جزائے خیر دیں۔ میں نے گورنمنٹ ہائی سکول بوچھال کلاں کو خیر باد کہا۔ اور ۲۲ ستمبر ۱۹۵۸ء کو سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور (جوائن) کر لیا۔

میرے بچے

۲۷ جون ۱۹۵۸ء کو ہمارے ہاں ایک دختر نیک اختر، جمیلہ کلثوم نے جنم لیا۔ الحمدللہ گھر رہ کر ہی اس نے الیف اے کر لیا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے پابند صوم و صلوٰۃ اور ہماری اطاعت گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے حفظ و امان میں رکھیں۔ ۸ جنوری ۱۹۶۱ء کو تیسرے بچے طہٰ جلیل کی پیدائش ہوئی۔ بعد ازاں دو بچیاں بشریٰ کلثوم اور راشدہ کلثوم ۲۳ فروری ۶۳ اور ۲۸ جنوری ۱۹۶۵ء میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ پانچوں

بچوں کو سچا مسلمان اور صالح انسان بنائیے۔ الحمد للہ ہمارے سارے بچے باقاعدگی سے صوم و صلاۃ کے پابند ہیں۔ خداوند کریم انھیں کامل ایمان کی دولت سے سرفراز رکھے

ٹریننگ کالج میں فرائض کی بجا آوری

ٹریننگ کالج میں اپنے قیام کے دوران زیر تربیت اساتذۂ کرام کیساتھ بہت اچھا وقت گزارا۔ علوم اسلامیہ اور تدریس عربی کے فرائض کے ساتھ ساتھ طلبہ کو اسلامی روایات سے آشنا کرنا بھی اپنا فرض منصبی خیال کرتا تھا فراغت کے بعد طلبۂ کرام جب مجھے خطوط لکھتے کہ ہم نے بی۔ ایڈ کرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی روح سے بھی شناسائی حاصل کی ہے تو میری مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ ہوتا۔

انٹر کالج گلبرگ

۱۹۶۰ء میں پبلک سروس کمیشن کے سامنے انٹرویو دیا۔ اور خدا کے احسان سے میری تقرری مستقل پوسٹ پر گورنمنٹ انٹر کالج گلبرگ میں ہوگئی۔

ایم اے علوم اسلامیہ

ٹریننگ کالج میں قیام کے دوران میں نے ایم اے علوم اسلامیہ کی تیاری شروع کر دی۔ اور ۱۹۵۹ء میں ایم اے کے امتحان میں شریک ہوا۔ رب تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم تھا کہ میں پنجاب یونیورسٹی میں اوّل رہا اور میڈل حاصل کیا۔

؎ ایں سعادت بزور بازو نیست

پنجاب یونیورسٹی میں تقرری

۱۹۶۱ء کے اواخر میں شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں لیکچرار کی پوسٹ نکلی۔ میں نے بھی محکمہ کے توسط سے درخواست دے دی۔ بارہ امیدوار انٹرویو کے لئے آئے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے سلیکشن بورڈ کی نظر انتخاب مجھ پر پڑی۔ چنانچہ میں نے ۱۵ مارچ ۱۹۶۲ء کو شعبۂ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی میں جائن کر لیا۔ یونیورسٹی نے مجھے چار اضافی ترقیاں بھی دیں۔ قرآن کریم اور فقہ کی تدریس کا کام میرے سپرد کیا گیا۔ میں اپنے فرائض کو پوری دیانتداری اور محنت سے سرانجام دیتا رہا۔ علامہ علاؤ الدین صدیقی مرحوم شعبہ کے سربراہ تھے۔

ھدایہ کا ترجمہ

فقہ کے پرچہ میں حنفی فقہ کی مشہور کتاب الھدایہ کے دو باب کتاب النکاح اور کتاب الطلاق شامل تھے۔ دونوں ابواب کا ترجمہ ایک رفیق کار پروفیسر بشیر احمد صدیقی کے تعاون سے سلیس اردو میں مکمل کیا اور مکتبہ علمیہ ۱۵ ایک روڈ لاہور کے توسط سے

شائع ہوگیا۔ الحمدللہ ان تراجم کے اب تک پانچ پانچ ایڈیشن مارکیٹ میں آچکے ہیں۔

اصول الشاشی کا ترجمہ اسی دوران اصول فقہ کی کتاب اصول الشاشی کا ترجمہ بھی شائع کرایا گیا۔ علاوہ ازیں مجاہد اسلام موسیٰ بن نصیر کے حالات زندگی تحریر کیے جو چھپ چکے ہیں۔ اور احادیث نبوی کا ایک مجموعہ SAYINGS OF THE HOLY PROPHET انگریزی زبان میں شائع ہوا ہے۔

مولانا عبیدالحق صاحب مالک مکتبہ علمیہ نے فرمائش کی کہ آہستہ آہستہ پورے ہدایہ کا ترجمہ کر دیں۔ مجھ جیسے بے سواد اور بے بضاعت شخص کے لیے اتنا مشکل اور عظیم کام کرنا آسان نہ تھا۔ مگر توفیق ایزدی نے معاونت فرمائی چنانچہ اب تک ہدایہ کے تراجم کے بارہ حصے کتابی صورت میں طبع ہو چکے ہیں۔ کتاب الصلاۃ۔ کتاب الزکاۃ۔ کتاب الصوم۔ کتاب الحج۔ کتاب النکاح؛ کتاب الطلاق۔ کتاب الایمان۔ کتاب الحدود۔ کتاب اللقیط۔ کتاب السرقۃ والسیر کتاب ادب القاضی اور کتاب الشہادۃ زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ تیرھواں حصہ چھپ رہا ہے۔ چھ ابواب کے مسودے مکمل ہو چکے ہیں۔ صرف آخری دو حصے باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مکمل کرنے کی توفیق دیں۔ طباعت کے سلسلے میں مولانا عبیدالحق صاحب کا کردار ناقابل فراموش ہے ان کا برتاؤ میرے ساتھ انتہائی مشفقانہ ہے۔ اور مجھے حقیقی بھائیوں کی طرح عزیز رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے کاروبار میں برکت دیں۔

دیوان الحماسہ ساتھ ہی ساتھ عربی ادب کی مشہور کتاب دیوان الحماسہ کی شرح بھی لکھ رہا ہوں۔ ہدایہ کے ترجمہ کی تکمیل کے بعد پوری توجہ کے ساتھ یہ کام کرنا ممکن ہوگا

سرگودھا بورڈ کا انعام بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن سرگودھا کی طرف سے مجھے ہدایہ کی تین کتابوں پہ دو ہزار روپے کا انعام ملا ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذلک

یونیورسٹی سے بوچھال کالج ۱۹۶۳ء کے اواخر میں سیٹھ عباس خان صاحب مرحوم ایم ایل اے کی مساعی جمیلہ سے بوچھال کلاں میں گورنمنٹ انٹر کالج کا قیام عمل میں آیا۔ ملک امیر محمد خان صاحب مرحوم گورنر پنجاب نے کالج کے قیام کی منظوری دی سیٹھ عباس صاحب ہر تیسرے چوتھے روز یونیورسٹی میں تشریف لے آتے اور فرماتے اپنے علاقہ میں کالج قائم ہو چکا ہے۔ علاقے کی خدمت کرنا تمہارے فرائض میں شامل ہے۔ سیٹھ مکرم کے پرخلوص

اصرار کے سامنے میں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۶۳ء میں یونیورسٹی کی ملازمت ترک کر دی اور یکم نومبر ۱۹۶۳ء کو گورنمنٹ انٹر کالج میں بطور لیکچرار علوم اسلامیہ جائن کر لیا۔ اور دل و جان سے اپنے علاقے کی خدمت کے فرائض سر انجام دینے لگا۔ میں نے کیڈٹ کالج حسن ابدال میں تین مرتبہ بطورِ ناظم امتحان کام کیا۔ ساتھ ہی ساتھ درسِ قرآن کریم اور خطابت جمعہ کے فرائض بھی ادا کرتا۔ میں نے دیکھا کہ کالج کا ماحول بہت اچھا تھا۔ اساتذہ کرام کو خصوصاً دینی لگاؤ ہے۔ کالج کے تمام طلبہ باقاعدگی سے پانچوں اوقات مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں۔ کالج کے پرنسپل جناب این ڈی حسن صاحب کالج کے روحِ رواں ہیں۔ قرآن کریم کے درس اور جمعہ کی نماز میں باقاعدگی سے حاضری دیتے ہیں ان کی وقت کی پابندی کا یہ عالم ہے۔ کہ انسان گھڑی کو ان کے اوقاتِ آمد و رفت کے ساتھ سیٹ کر سکتا ہے۔ میں نے زندگی میں ایسا پابندِ وقت شخص نہیں دیکھا۔ میں ذاتی طور پر ان سے کافی متاثر ہوا۔ علاوہ ازیں پروفیسر دلشاد حسین شاہ صاحب۔ سید انعام علی شاہ صاحب حافظ ظہور احمد صاحب اور نثار احمد سلیمی صاحب سے قلبی روابط قائم ہوئے جو اب تک برقرار ہیں الحمدللہ کہ میرے خیر خواہوں کی فہرست میں چار قیمتی افراد کا اضافہ ہو گیا۔

بطورِ اسسٹنٹ پروفیسر بوچھال سے چکوال اور مراجعت

۱۹۷۳ء میں اسسٹنٹ پروفیسر کے طور پر ترقی مل گئی جون ۱۹۷۶ء میں سیاسی وجوہ کی بنا پر میرا تبادلہ گورنمنٹ کالج چکوال ہو گیا۔ ایک سال تک وہاں تھرڈ ایئر کے طلبہ کی خدمت کرتا رہا۔ جون ۱۹۷۷ء میں پھر گورنمنٹ کالج چکوال سے میرا تبادلہ گورنمنٹ انٹر کالج بوچھال کلاں میں ہو گیا۔ اور اب تک اسی کالج میں ملازمت کے فرائض سر انجام دے رہا ہوں۔ جب چکوال کالج میں تبادلہ ہوا، تو ہر روز میں گھر واپس آجاتا تھا۔ بس میں آتے جاتے دو گھنٹے خرچ ہو جاتے۔ میں نے وقت کو ضائع کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے مقدسہ کا ورد شروع کر دیا۔ ننانوے اسمائے الٰہی کا ورد لاکھ لاکھ بار کیا اور لاکھ بار اسم ذاتی کا ورد کر کے ایک کروڑ مکمل کر لیا۔ الحمدللہ علی ذالک۔ علاوہ ازیں کلمہ طیبہ۔ سلام قولا من رب رحیم اور رب انی مغلوب فانتصر بھی لاکھ لاکھ بار پڑھ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا احسان تھا کہ میں نے سفر کے دوران وقت سے فائدہ اٹھایا۔ اور کلمات طیبات سے متمتع ہوتا رہا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں سورۃ الفاتحہ کو بھی باقاعدگی

سے لاکھ مرتبہ پڑھ چکا ہوں۔ اور میرا فارغ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں درود شریف کا نذرانہ پیش کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ الحمد للہ علی ذلک

حج کا پروگرام

اسلام کے اہم رکن حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کا جذبہ مدت سے دل میں موجزن تھا۔ مگر رزق حلال پر اکتفا بچوں کے تعلیمی اخراجات اور ہوشربا گرانی جیسے معاملات نے مالی وسائل کو ہمیشہ محدود رکھا۔ اور اس قابل نہ ہو سکا کہ باقاعدہ درخواست دے سکوں۔ ہر سال حج کے موسم میں یہ تڑپ بڑھ جاتی مگر میرے بس میں کچھ نہ ہوتا۔

۱۹۷۶ء کے اواخر میں میرے ایک دوست صوبیدار مہر خان صاحب آف بوچھال کلاں پاک فوج سے ریٹائر ہوئے اور انہوں نے کراچی میں سول ملازمت اختیار کر لی جب رخصت پر گھر آئے تو کہنے لگے اب میں کراچی مقیم ہوں۔ امسال میں کوشش کروں گا کہ آپ کو حجاز مقدس بھجوانے کا انتظام کر سکوں۔ ملک محمد حسین صاحب کراچی میں قیام پذیر ہیں۔ میں ان کے توسط سے اپنی کوشش شروع کر دوں گا۔

ملک مہر خان صاحب کی گفتگو سن کر حجاز مقدس جانے کی خواہش اپنے عروج پہ پہنچ گئی۔ کہ جس بکرم و محترم بیت اللہ کے سائے میں آقائے دوجہاں کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔ اور اسلام کی سعادت سے مستفیض ہوا تھا۔ اس مقدس جگہ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھ کر مزید سعادتیں اور برکات حاصل کروں۔ نیز سرکار دوعالم کی خدمت میں پہنچ کر اپنے ایمان کو تازہ کر سکوں۔

احساس محرومی

جوں جوں حج کا موسم قریب آ رہا تھا میری بے چینی اور بے کلی بڑھتی جا رہی تھی۔ اکتوبر کے اواخر میں مہر خان صاحب کا خط ملا۔ کہ شاید تمہارے سفر حج کا پروگرام تکمیل کے مراحل طے نہ کر سکے۔ حالات نے ایسا رُخ اختیار کیا ہے کہ میری سال بھر کی مساعی ناکام ہوتی دکھائی دے رہی ہیں۔

خط پڑھ کر مجھے انتہائی دکھ ہوا اور اپنی بدقسمتی پہ آنسو بہانے لگا۔ حسین خواب تکمیل سے پہلے ہی بکھر کے رہ گیا اب حصول مقصد کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ یاس و ناامیدی کے عالم میں تمام راہیں مسدود دکھائی دیتی تھیں۔ میرے سال بھر کے ارادوں کا محل دھڑام سے گر پڑا تھا اُف ہجوم یاس و حرماں ڈوبتا جاتا ہے دل۔

حضور کی دُعا، لیکن کیوں ؟ میں اس قدر مایوس کیوں ہوں۔ جب کہ میرے لئے خالق کائنات کا عظیم سہارا موجود ہے۔ میرے حق میں آقائے دوجہاں کا ارشاد "میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کر رہا ہوں" موجود ہے۔ مجھے ناامید ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ مجھے تو یقین کامل ہے کہ زندگی کی کسی دوڑ میں مجھے ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے گا۔ حضور کے ارشاد کا اعجاز میں اپنی اسلامی زندگی میں کئی مرتبہ دیکھ چکا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جب میں کسی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہوں مجھے اپنے سامنے مشکلات کے پہاڑ کھڑے دکھائی دیتے ہیں اور چاروں طرف یاس وناامیدی کی تاریکی کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تو میں خلوصِ دل کے ساتھ بارگاہ رب العالمین کی طرف متوجہ ہوتا ہوں یا اللہ العالمین ! مجھے اعتراف ہے کہ میں گنہگار ہوں۔ بدعمل ہوں۔ مجھے تسلیم ہے کہ یہ مصیبت میرے اعمال کا نتیجہ ہے۔ میرے اللہ ! میں مانتا ہوں میری زندگی کا ہر لمحہ غفلت میں بسر ہوتا ہے۔ میں آپ کے حقوق کی ادائیگی سے قاصر ہوں۔ میرے گناہ بے شمار ہیں۔ لیکن میرے اللہ ان تمام خامیوں کے باوجود میں وہ شخص ہوں۔ جس کو تیرے حبیبؐ کی زیارت نصیب ہوئی جس کو آپ کے حبیبؐ۔ سید دوعالم نے اسلام کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ اور جس کے حق میں رحمت عالم نے فرمایا "میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کر رہا ہوں" میرے پروردگار میں اسی رحمتِ دوعالم کے توسل و توسط سے اپنی مشکل کے ازالے کے لئے التجا کرتا ہوں۔

استجابت اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میں ابھی دعا مانگنے سے فارغ نہیں ہوتا کہ مجھے قلبی طمانیت وسکون کی دولت میسر آجاتی ہے۔ میرے اضطراب میں ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے اور میری دُعا درِ قبولیت تک رسائی کا شرف حاصل کر لیتی ہے۔ یہ سب میرے رب کی رحمتِ بے پایاں کا کرشمہ ہے۔ میری مشکلات کے دور ہونے اور میری حاجات کے بر آنے میں لمحوں کی دیر بھی رحمتِ ایزدی کو گوارا نہیں ہوتی۔ میں اپنے رحیم وکریم رب کا شکریہ کس زبان سے اور کن الفاظ سے ادا کروں ممکن ہی نہیں۔

۳۰ر اکتوبر شام کا وقت تھا۔ ہم مغرب کی نماز کے بعد کھانا کھا نے بیٹھے۔ صبح بچے کو لے کر حسن ابدال کیڈٹ کالج میں داخلہ کے لئے جانا تھا۔ کراچی سے آمدہ خبر محرومی کی بنا ر دل و دماغ پریشان

تھے۔ چہرے سے بھی ان جذبات کا عکس نمایاں تھا۔ میری غمگسار رفیقۂ حیات نے تسلی دینا چاہی۔ آپ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائیں اور ہمت و حوصلہ سے کام لیں۔ غمگسار اور غمخوار بیوی کے پُرخلوص الفاظ نے تھوڑی دیر کے لئے میرے جذبات میں ٹھہراؤ پیدا کر دیا۔ مگر میرے دل کے زخم مندمل نہ ہو سکے اور زخموں کا خون آنسوؤں کی صورت میں آنکھوں سے بہہ نکلا۔ میں نے جب بیگم کی آنکھیں پرنم دیکھیں تو اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کی۔

کھانا کھا کر بچے دوسرے کمرے میں چلے گئے میں رب کے حضور نمازِ عشاء کے لئے کھڑا ہو گیا۔ ناکامی نے دل و دماغ کو مضطرب کر رکھا تھا۔ سوز و گداز سے نماز ادا ہوئی۔ اور اپنے رب کی بارگاہ میں گزارش کی۔

نبیِ رحمت کی خدمت میں

”میرے اللہ! میں ایک پیغام آپ کی وساطت سے نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ میرے رب! میری التجا ہے کہ میرا پیغام آج کی رات سرکارِ دو عالم تک پہنچ جائے کہ آپ کا ایک غلام جسے آپ نے خود دامنِ رحمت کے ظلِ عاطفت میں جگہ دی تھی۔ جس کو آپ نے اسلام کی دولت سے نوازا تھا وہ آپ کی بارگاہ میں حاضری کے لئے بے چین تھا اس نے خلوصِ دل سے حاضری کے لئے مقدور بھر کوشش کی۔ لیکن میں نے اُسے آنے نہ دیا۔“

آنسوؤں کے اُمڈتے ہوئے سیلاب میں یہ پیغام عرض کیا گیا اور دیر تک اپنے رب کی منت و سماجت کی سعادت سے بہرہ ور ہوتا رہا۔ صبح نمازِ فجر کی ادائیگی کے لئے اُٹھا رات والی رقت کے اثرات ابھی دل میں موجود تھے۔ نماز پڑھی اور حسن ابدال روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے رفیقۂ حیات کو مخاطب کرتے ہوئے کہا رات کو میں نے اپنے رب کی خدمت میں ایک پیغام پیش کیا تھا۔ اُمید ہے میرا پیغام منزلِ مقصود تک پہنچ چکا ہو گا۔ میں اپنے رب کی رحمت سے نااُمید نہیں ہوں۔ بیگم کے ساتھ باتوں کے دوران بھی میرے آنسو میری بے بسی کی شہادت دے رہے تھے۔

محبت و عشق کے قوانین بھی عجیب نرالے ہیں نہ تو میں نے حج کی درخواست دی۔ نہ بنک میں رقم جمع کرائی اور نہ اتنی رقم میرے پاس تھی کہ میں مصارفِ حج کا متحمل ہو سکوں لیکن بایں ہمہ دیارِ حبیبؐ

میں حاضری کی آس لگائے بیٹھا تھا۔ شاید لوگ مجھے پاگل کہیں۔ کہ عالم اسباب میں رہتے ہوئے مافوق الفطرت واقعات کے ظہور کی اُمید کئے بیٹھا ہے۔ مگر محبت وعشق کی دنیا میں ایسے واقعات کا عالم وجود میں آنا ممکن ہے۔ رفیقۂ حیات نے تسلی کے پُرخلوص الفاظ کے ساتھ حسن ابدال جانے کے لئے الوداع کہا۔ اُس کا چہرہ بھی ہمدردی اور غمگساری کے جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا۔ میں نے کہا آپ کی پُرخلوص دعائیں میرے ساتھ ہیں تو مجھے کیا غم ہے۔

سفر حج کی بشارت

میں بچے کو ساتھ لے کر ۱۴ اکتوبر کو حسن ابدال روانہ ہو گیا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ سٹاف کے چند دوست میرے پاس تشریف فرما تھے کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔ دیکھا تو ملک محمد اسحاق صاحب تشریف لے آئے ہیں میرا دل دھک سے رہ گیا خدا خیر کرے۔ اسحاق صاحب نے آتے ہی مبارک دی۔ اور ساتھ ہی ٹیلیگرام میرے ہاتھوں میں دیا کہ اس میں آپ کے حج پہ جانے کی خبر ہے۔ تار آج آپ کے گھر والوں نے وصول کیا ہے اور مجھے آپ کو لانے کے لئے بھیجا ہے۔

اپنے رب کی رحمت کا اعجاز دیکھ کر میں تو حواس باختہ ہو گیا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اپنے وحدہٗ لاشریک رب کا شکریہ کس طرح ادا کروں اور کس کس نعمت کا شکریہ ادا کروں۔

دوستوں کو الوداع کہا بچے کو ان کے حوالے کیا۔ اور رات بارہ بجے واپسی کے سفر کا آغاز کیا صبح چھ بجے گھر پہنچ گیا۔ ملک اسحاق صاحب سے کہا کہ آپ بوچھال جا کر کار کا انتظام کریں میں گھر جا کر سفر کی تیاری کرتا ہوں مجھے رخصت کی درخواست دینے کالج بھی جانا ہے۔

گھر پہنچ کر رخت سفر کے متعلق دریافت کیا بیگم نے ضروری سامان بکس میں اکٹھا کر رکھا تھا میں نے پوچھا گھر میں کتنے روپے ہوں گے۔ پانچ سو روپیہ گھر میں موجود ہے۔ بیگم نے بتایا۔

آپ یہ پانچصد روپے مجھے دے دیں۔ پرسوں تک تنخواہ مل جائے گی۔ امید ہے گھریلو اخراجات کے لئے کافی ہوگی میں کالج جاتے ہوئے ملک محمد اسحاق صاحب کے گھر گیا۔ محمد اشرف صاحب نے کہا گھر میں صرف سترہ سو روپے ہیں۔ میں نے لے لئے۔

مقدس سفر پہ روانگی

اسحاق صاحب کار لے کر تشریف لے آئے۔ گھر والوں سے رخصت ہوا اور سرگودھا روانہ ہو گیا۔ میرے گاؤں کے کسی آدمی کو میرے روانہ

ہونے کا علم نہ تھا۔ سرگودھا پہنچ کر ٹرین میں سوار ہوا اور ۲ نومبر کو دوپہر کے وقت کراچی پہنچ گیا ملک مہر خان صاحب سٹیشن پر موجود تھے مجھے ساتھ لے کر ملک محمد حسین صاحب کے گھر آئے۔ ۳ نومبر کو ملک محمد حسین صاحب نے میرے کاغذات کی تکمیل کرائی۔

سفینہ عرب میں

اُسی شام کو سفینہ عرب میں سوار ہوا اور جہاز جدہ کے لئے روانہ ہوگیا۔ جہاز میں صوفی جان محمد صاحب ہم سفر تھے۔ ان کے علاوہ بوچھال کے دو تین ساتھی اور بھی تھے۔ جہاز میں سفر کا ہفتہ بڑے امن و سکون سے گزرا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سارا سفر آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلاۃ و درود میں طے ہوا۔ میرا یہ مبارک سفر آپ ہی کی شفقت کا نتیجہ تھا۔

پہلے مدینۃ الرسولؐ

جہاز جب یلملم کی محاذات میں پہنچا تو احرام باندھنے کا اعلان کیا گیا۔ دوستوں نے پوچھا تم نے احرام باندھنے کی تیاری نہیں کی؟ میں نے کہا میں احرام نہیں باندھوں گا میں پہلے رحمتِ عالم کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے مدینہ طیبہ جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کیونکہ جو ذات مقدس میرے بلانے کا ذریعہ ہے۔ میں پہلے اس ذات کا شکریہ ادا کرونگا پھر بیت اللہ میں حاضری کا شرف حاصل کروں گا۔

میرے اصرار پر دوستوں نے بھی پہلے مدینۃ النبی جانے کا پروگرام بنالیا۔ جدہ پہنچ کر بوچھال کے چند اور دوست بھی ساتھ ہولئے۔ ٹیکسی کرایہ پر لی۔ اور آقا کے دربار کا رُخ کیا۔ راستے میں ایک ہوٹل کے نزدیک ظہر کی نماز ادا کی۔

دربارِ نبویؐ مدینہ طیبہ

عصر کے وقت ہم مدینۃ النبیؐ کے قرب و جوار میں پہنچ چکے تھے۔ دور بازار سے مسکن آقا کی مسجد کے مینار دعوتِ نظارہ دے رہے تھے۔ اور دل میں جذبات کا بہاؤ تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔ ٹیکسی سے اترے سامان ساتھ لیا اور تیزی سے آپ کے مسکن کی طرف چلنے لگے تاکہ عصر کی نماز سرورِ کائنات کی بارگاہ میں ادا کی جائے۔

دربار نبوی اور بیت اللہ کی کیفیات میرا قلم تحریر کرنے سے قاصر ہے۔ نہ مجھ میں اہلیت ہے اور نہ میرے پاس وہ الفاظ ہیں کہ میں اپنے جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنا کر صفحۂ قرطاس پر ثبت کر سکوں۔ لہٰذا حرمین شریفین کی تجلیات و برکات کے سلسلے میں اختصار سے کام لوں گا۔ تفصیل سے بیان کرنا میرے بس میں نہیں۔

نبیؐ رحمت کے حضور میں

نماز سے فارغ ہو کر سرکار دو عالم، رحمت دو جہان، سرور کون و مکان، رہبر اعظم، ہادی اکمل اور سید عالم کی خدمت عالیہ و سامیہ میں حاضری دی۔ درود و سلام کا نذرانہ پیش کیا۔ ہوش و حواس گم تھے۔ یقین نہیں آتا تھا کہ مجھ سا سیاہ کار اپنے آقا کی حضوری میں پہنچ چکا ہے۔ جالی کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں آقا کے عظیم احسانات کا شکریہ ادا کیا۔ جن کی ذات عالی کی شفقت نے دولت اسلام سے مالا مال کیا تھا جن کی رحمت نے اس غلام کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی تھی۔ جن کے کرم سے حاضری کے اسباب میسر آئے تھے۔ آج وہ کتنی بابرکت ساعت تھی کہ وہی غلام اپنے ہادی و مشفق اور کریم آقا کی خدمت میں حاضر تھا۔ میرے دل نے کیا کچھ عرض کیا بیان سے قاصر ہوں۔

اژدھام کے باوجود کافی دیر تک خدمت اقدس میں دست بستہ قیام کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے کیا محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مغرب و عشاء کی نماز میں دوسری صف میں جگہ لی۔

مدینہ منورہ کی خنکی نے نصف شب کے وقت بیدار کر دیا۔ وضو کر کے آقا کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا اور درود شریف کا نذرانہ عقیدت پیش کرتا رہا۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

پیارے نبی کے پیارے شہر کا ہر ذرہ محبوب تھا۔ مقامات مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا اور ہر جگہ یہی خیال آتا کہ میں ان مقامات پہ آنکھیں بچھا دوں جہاں رحمت کائنات کے مبارک قدموں نے ان مقامات کو اپنی سعادت سے نوازا ہو گا۔ کاش میں وہ مقدس مٹی بن جاتا جس پہ آپ نے مبارک قدم رکھے تو میرا رتبہ آسمانوں سے بھی بڑھ جاتا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ مجھ پہ رشک کرتا۔ لیکن میں اپنے آقا کی رحمت، شفقت اور شفاعت سے مایوس نہیں مجھے تو آقا کی رحمت نے اپنی غلامی میں قبولیت کا شرف بخشا تھا۔ میں اپنی خوش بختی پہ نازاں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بخشش کی امید لگائے بیٹھا ہوں۔

جن ایام میں ہم حاضر ہوئے ان دنوں نبوت کے پروانوں کا ہجوم عروج پر تھا۔ جب بھی مزار مقدس کے سامنے نذرانہ عقیدت پیش کرنے کھڑا ہوتا۔ عاشقوں کا سیلاب تنکے کی طرح بہاتے ہوئے کہیں کا کہیں لے جاتا۔ آخر ان کا بھی تو حق تھا کہ آقا کی خدمت میں حاضری دیں۔

اللہ تعالیٰ کے گھر میں

الحمدللہ یہ چند لمحات بھی زندگی کی متاعِ عزیز تھے۔ ابھی تشنگی اسی طرح باقی تھی کہ دوستوں نے مکہ مکرمہ کا پروگرام بنایا کیونکہ ایامِ حج سر پر آ چکے تھے۔ سنتِ محبوب کی پیروی میں مسجد نبوی میں احرام باندھا۔ اور نماز عصر سے فارغ ہو کر سیدِ رحمت کی خدمتِ اقدس میں درود و سلام کا الوداعی نذرانہ پیش کرتے ہوئے اس مقدس مسکن نبوت سے رخصت ہو گئے۔ یا اللہ! ہماری یہ حاضری پہلی ہو آخری نہ ہو۔ یا اللہ بار بار ہمیں حضور کی سعادت نصیب فرما بادلِ نخواستہ حرم نبوی سے نکلے۔ ٹیکسی لی اور مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ میں ڈرائیور کے پاس فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا اور اس سے عربی میں گفتگو کرتا رہا تاکہ زبان رواں ہو جائے۔

نمازِ مغرب

راستے میں مغرب کی نماز کے لئے رکے۔ اس مقدس سرزمین میں مجھے امامت کرانے کے لئے کہا گیا۔ جب تین فرض پڑھ کر سلام پھیرا تو دیکھا کہ کاروں کی طویل لائنیں ایستادہ ہیں اور ہر ملک کے باشندے نے میری اقتداء میں نماز ادا کی ہے۔ میری مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کتنی سعادت سے نوازا ہے۔ الحمدللہ مقدس سرزمین میں بہت سی نمازوں میں امامت کرانے کا موقع ملتا رہا۔ اور یہ امر میرے لئے باعثِ فخر و انبساط تھا۔

رب کے حضور میں

رات سفر میں بسر ہوئی۔ اذانِ فجر سے بہت پہلے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ دل و دماغ پر عظمت و جلال کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ ٹیکسی سے اترے۔ ایک جگہ سامان جمایا۔ وضو کیا اور صفا و مروہ کی جانب سے بیت الحرام میں داخل ہوئے۔ معلوم نہیں کس خوف کی بنا پر دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ بیت اللہ پر نظر پڑی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ سب سے پہلے دعا جو الفاظ کی صورت میں لبوں پر آئی یہ تھی۔ اے اللہ مجھے اپنی رحمت و شفقت کے صدقے مستجاب الدعوات بنا دے یا اللہ میری ہر دعا کو شرف قبولیت عطا فرما۔

خانۂ کعبہ

بیت اللہ کو دیکھ کر دلی کیفیت کا ادراک نہ ہو سکا۔ اللہ اللہ۔ تجلیات ربانی کا نزول تھا۔ کچھ عجیب سماں تھا اور اپنی قسمت پر ناز تھا۔ کہ مجھ جیسے سیاہ کار کو اس مقدس و محترم جگہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ نماز سے فراغت کے بعد عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی بیت اللہ کی وہ مقدس دیوار جو حطیم اور رکن یمانی کے درمیان ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے تھی۔

جہاں میں نے سید دو عالم نبی محترم کو تشریف فرما دیکھا تھا۔ جہاں مجھے آقائے دو جہاں نے شرف باریابی بخشا تھا۔ جہاں میرا حقیر ہاتھ رحمت عالم کے مقدس ہاتھوں کے لمس سے حرارت ایمانی کو جذب کر رہا تھا۔ جہاں آقا نے مجھے دولت اسلام سے مشرف فرمایا تھا۔ دل چاہتا تھا ہمیشہ اسی مقدس جگہ کو تکتا رہوں۔ اس وقت بھی اپنے آپ کو آقا کے حضور میں کھڑا پایا۔ اس کیفیت کے بیان سے قاصر ہوں۔

امین صاحب سے ملاقات

زیارت بیت اللہ سے فارغ ہوئے تو محمد امین صاحب سے ملنے محلہ جیاد میں گئے۔ امین صاحب ملک سکندر خان ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول بوچھال کلاں کے ڈیرے پر موجود تھے۔ امین صاحب تقریباً چھ ماہ پہلے سے مکہ مکرمہ میں موجود تھے۔ مل کر خوشی کی انتہا نہ رہی۔

عرفات کا میدان

دو دن بعد دوستوں کا قافلہ پیدل ہی میدان عرفات کی طرف روانہ ہو گیا۔ مزدلفہ اور منیٰ سے گزرتے ہوئے عرفات پہنچے اور حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ رات مزدلفہ میں بسر کی اور دوسرے دن منیٰ آ گئے۔ یہاں رمیٔ جمرات اور قربانی کا فریضہ ادا کیا اور اعمال حج سے فارغ ہوئے۔

الوداع

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں میرے خورد و نوش کے اخراجات صوفی جان محمد صاحب اور امین صاحب ہی ادا کرتے رہے۔ ان اللہ کے بندوں نے مجھے کہیں بھی خرچ نہ کرنے دیا۔ عصر کی نماز بیت اللہ میں ادا کی اور بیت اللہ کو الوداع کہا۔ یہاں بھی آخری دعا یہی تھی یا رب! اس مقدس گھر کی حاضری سے بار بار مشرف فرما۔ وہاں سے واپس لوٹنے کو جی نہ چاہتا تھا مگر جانا ایک مجبوری تھی۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت سے جی نہ بھر سکا۔ اور یہ تشنگی اب تک باقی ہے۔ ابھی وہاں مجھے بہت کچھ کرنا تھا۔ قلت وقت کے باعث کچھ نہ کر سکا۔ شاید اللہ پاک اپنی رحمت سے اس خلاء کو پُر کر دیں۔

عمرہ کی آرزو

میری اب بھی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی مجھے عمرہ کی سعادت نصیب فرمائیں تاکہ میں دل کی سیرابی کے لئے جی بھر کر طواف کروں۔ بیت الحرام میں نمازیں ادا کروں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حضوری کی سعادت

حاصل کر سکوں۔ آمین

کراچی میں آمد

واپسی پر تین دن ملک محمد حسین صاحب کے در دولت پر قیام کیا اور چوتھے روز کراچی سے روانگی ہوئی۔ میں اپنے اس مقدس سفر کے لئے ملک محمد حسین صاحب کا خصوصاً ممنون ہوں انھوں نے مجھے اس سعادت عظمیٰ سے فیض یاب ہونے کے لئے پر خلوص تعاون اور محنت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ انھیں دین و دنیا کی بہتری عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ملک مہر خان صاحب کو بھی دینی و دنیوی سعادتوں سے نوازیں۔ کہ جن کی مساعی جمیلہ سے مجھے یہ زریں موقع ملا۔

سرگودھا سٹیشن پر تمام عزیز و اقارب موجود تھے۔ اسحاق صاحب۔ الحاج فیروز خان صاحب اور ان کے فرزند کار لے موجود تھے۔ قاضی اقبال صاحب میرے ہم زلف نے پر تکلف دعوت کا انتظام کر رکھا تھا۔ سرگودھا سے ہم قدرے تاخیر سے روانہ ہوئے مقصد یہ تھا کہ میں رات کی تاریکی میں گھر جاؤں اور کوئی شخص دیکھ نہ پائے۔ عشاء کے وقت میانی پہنچا۔ سب سے پہلے مسجد میں جاکر اللہ تعالیٰ کے احسانات کے شکر کے لئے چند نفل ادا کئے۔ پھر گھر آکر بچوں سے ملا۔

عہدہ پرنسپل پر تقرری

چند روز دوستوں کی ملاقات کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر کالج میں اپنے فرائض سنبھال لئے مارچ ۱۹۷۸ء میں ہمارے سابق پرنسپل صاحب نو ماہ کی رخصت پر پیدل تبلیغی جماعت کے ساتھ حج کے لئے روانہ ہوئے۔ اور میں نے بطور انچارج کالج کا چارج سنبھال لیا۔ پرنسپل صاحب کو جڑانوالہ ڈگری کالج کا سربراہ بنا دیا گیا۔ اور ۲۴ دسمبر ۱۹۷۸ء کو گورنمنٹ انٹر کالج بوچھال کلاں کی سربراہی کے لئے محکمہ کی طرف سے میری تقرری کے احکام کا اجراء ہوا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جل شانہ، کی عنایات اور فضل و کرم کے مظہر ہیں۔ اور میں تادم تحریر گورنمنٹ انٹر کالج بوچھال کلاں ضلع جہلم میں بطور پرنسپل اپنے فرائض منصبی سر انجام دے رہا ہوں۔

قبول اسلام سے پہلے اور بعد

قبول اسلام کے بعد میں نے اپنے اندر بہت سی ذہنی اور روحانی تبدیلیاں محسوس کیں۔ اسلام لانے سے پہلے میں ایک اوسط ذہن کا بچہ اور متوسط درجے کا طالب علم تھا۔ لیکن اسلام نے میری سوچ و بچار کے دھاروں کا رخ بدل دیا جس سے میرے دل و دماغ کو ایک نئی جلا حاصل ہوئی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے ہر امتحان میں امتیازی پوزیشن کے ساتھ کامیابی حاصل کی۔ اس وقت میرے پاس

تین گولڈ اور دو سلور میڈل ہیں جو میں نے یونیورسٹی کے مختلف امتحانات میں حاصل کیے۔ یہ سب کچھ اسلام ہی کا کرشمہ ہے۔

درس نظامی کا مکمل نصاب ایک عام طالب علم تقریباً دس سال کے طویل عرصہ میں ختم کرتا ہے لیکن بفضل اللہ تعالیٰ میں نے درس نظامی کی تکمیل چھ سال کے عرصہ میں کر لی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اساتذہ کرام کی شفقت و توجہ کا نتیجہ ہے کہ میں نے مختلف اوقات میں درس نظامی کی اکثر کتابیں دینی طلبہ کو بغیر کسی دقت کے پڑھائی ہیں۔

اسلام کے مخلص پرستار

اسلام نے میری عزت کو چار چاند لگائے اگرچہ میں نے کم سنی میں اپنے والدین کا خوشحال گھرانہ چھوڑ دیا تھا۔ اور تن تنہا گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اسلام کے پرستاروں میں مجھے اس قدر مخلص دوست نصیب ہوئے جنہوں نے والدین جیسا پیار دیا۔ میرے یہی دوست ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۸ء تک میرے تعلیمی اور دیگر اخراجات کی کفالت کرتے رہے۔ اور میرے آرام و آرائش کا پورا پورا خیال رکھتے۔ گھر چھوڑنے کے بعد مالی معاملات میں مجھے کبھی دقت کا سامنا نہیں ہوا۔ رب تعالیٰ نے ضرورت سے زائد عطا کیا۔ میری زندگی میں الحمد للہ آج تک ایسا وقت نہیں آیا کہ میں اپنے نومسلم ہونے کا اظہار کر کے خیرات طلب کروں۔ جب میں نے محکمۂ تعلیم میں ملازمت کا آغاز کیا تو میں نے خطبۂ جمعہ میں بوچھال کلاں کے مخلص دوستوں کو بتا دیا۔ اب میں برسر روزگار ہوں۔ اس صورت میں آپ سے ایک پیسہ لینا بھی میرے لیے جائز نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دس سالہ تعاون کے عوض نیک بدلہ دیں۔

میرے چند مخلص رفیق

میرے چند مخلص رفقاء سے آپ گزشتہ اوراق میں متعارف ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حضرات نے قدم قدم پر میری سرپرستی کی جن میں الحاج فضل احمد صاحب ٹریننگ کالج کے میرے استاد شیخ غلام احمد صاحب P C S مرحوم راولپنڈی۔ قاضی عبدالسلام صاحب انصاری مرحوم ڈپٹی انسپکٹر سکولز۔ عبدالقادر صاحب قریشی رجسٹرار پنجاب یونیورسٹی۔ پروفیسر منظور حسین صاحب مرزا سابق پرنسپل قریشی عبدالسلام صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج جہلم مولانا عبیدالحق صاحب ندوی مکتبہ علمیہ لاہور اور ملک سکندر خان صاحب ہیڈ ماسٹر صاحب کے اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

قاضی عبدالسلام صاحب اور الحاج فضل احمد صاحب سے میں نے بہت کچھ سیکھا قاضی صاحب مرحوم سرکاری کاغذ تک نجی استعمال میں لانا ناجائز خیال کرتے۔ اور فرمایا کرتے۔ غازی صاحب! اگر آپ نے اپنا ایک پیریڈ بھی بلا عذر ترک کیا۔ اور اپنے فرائض منصبی میں کوتاہی کی۔ تو آپ کا ضمیر زندہ نہیں رہے گا۔ فضل صاحب سے بھی میں نے تلا مدت کے دوران فرائض منصبی کی کما حقہ، ادائیگی کا درس لیا۔

میرے دوست ہر مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور میرے لئے اپنی جان تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ایم عبدالخالق درانی ملک فیروز علی۔ وغیرہ حضرات اسی نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔

میرے شاگردوں میں مخلص دوستوں کی فہرست بہت طویل ہے جن میں مولانا اکرم صاحب مولانا محمد ذاکر صاحب وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ میرے مخلص دوستوں کی تعداد میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس زمرے میں ملک محمد نواز صاحب سر فہرست ہیں جو میرے لئے سب کچھ قربان کرنے کو ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ الغرض میرے دوستوں کی فہرست اتنی طولانی ہے کہ اگر میں ان کے اسمائے گرامی تحریر کروں تو کئی صفحات درکار ہوں گے۔ میں ان حضرات کے لئے بارگاہ رب العالمین میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت انھیں پرخلوص شفقت اور رفاقت کی وجہ سے انعامات وافرہ سے نوازیں۔ ان دیکھے دوستوں میں حافظ عبدالغفار صاحب بہاولپوری خصوصیت سے قابل ذکر ہیں جن کے ساتھ پانچ چھ سال سے متواتر خط وکتابت جاری ہے۔

اسلام نے مجھے عزت واحترام کے اس مقام پر لا کھڑا کیا۔ کہ میرا پورا خاندان مل کر بھی اس تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ سب اسلام کی برکت ہے۔ رب تعالیٰ ہمیں سچا مومن بننے کی توفیق عطا فرمائیں۔ دنیوی عزت ووقار تو عارضی چیزیں ہیں۔ سب سے بڑی عزت تو آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے یہ بھی نصیب فرمائیں۔

دینی خدمات۔ بوچھال میں خطابت

جب علوم دینیہ سے فارغ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے میری توجہ دینی خدمت کی طرف مبذول

فرمائی ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۸ء تک میں نے مرکزی جامع مسجد بوچھال کلاں میں نماز جمعہ کی خطابت کے فرائض سرانجام دیئے۔ اور لوگوں تک خدا اور رسول کے احکام پہنچاتا رہا۔ اس خطابت کے عوض میں نے کسی قسم کا معاوضہ لینا اپنے لیئے حرام جانا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاصہ سے دینی خدمت کا معاوضہ وصول کرنے سے محفوظ و مصون رکھا۔

لاہور میں درس قرآن حکیم

۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۳ء تک میرا قیام لاہور میں رہا وہاں پونچھ ہاؤس کالونی کی پرانی مسجد میں شام کو قرآن کریم کا درس دیتا۔ اور رمضان شریف کے ایام میں تراویح میں جس قدر قرآن کریم پڑھا جاتا۔ چار رکعات کے بعد اس کا خلاصہ بیان کرتا۔ پہلے رمضان شریف کے اختتام پہ دوستوں نے میرے لیئے پانچ سو روپے کی رقم فراہم کی میں نے کہہ دیا کہ میں محکمہ تعلیم میں ملازمت کرتا ہوں جس کے عوض ضروریات کے لیئے تنخواہ لیتا ہوں میں پانچ سو روپے کی یہ رقم آپ کی مسجد کے تعمیراتی فنڈ میں دے رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب کا سودا کرنا میرے نزدیک جائز نہیں۔

میانی کی جامع مسجد میں خطابت و درس قرآن و حدیث

۱۹۶۳ء کے اواخر تک میانی واپس آگیا اور محلہ کی مسجد میں درس قرآن کریم۔ درس مشکوٰۃ شریف اور جمعہ کی خطابت کے فرائض سرانجام دینے لگا۔ مسجد بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اس کی تعمیر کی طرف توجہ دی الحمد للہ میری مساعی بارآور ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کا نیا نویلا شاندار گھر تیار ہوگیا۔ ۱۹۷۶ء تک میں درس و خطابت کے فرائض سرانجام دیتا رہا فرقہ بندی کی وبا سے یہ مسجد بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ میں چونکہ اسلام میں فرقہ بندی کو ناجائز خیال کرتا ہوں۔ لہذا بادل ناخواستہ درس و تدریس اور خطابت کے فرائض سے دست بردار ہوگیا تاکہ میری ذات کسی فتنہ کا باعث نہ ہو۔ اس سلسلے میں مجھے میانی کے لوگوں پہ افسوس ضرور ہے کہ انھوں نے درس قرآن و حدیث کے انقطاع کو قبول کر لیا۔ ورنہ میں تو مسلمانوں کی خدمت بلا معاوضہ کیا کرتا تھا۔ ان سے کچھ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم پھر بھی ان حضرات کے لیئے نیک دعاؤں کا طالب ہوں۔

بوچھال کی جامع مسجد میں خطابت

بوچھال کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب کہیں تشریف لے گئے۔ بوچھال کے حضرات نے مجھے خطابت کی دعوت دی اور میں اس مسجد کی خدمت کے لئے حاضر ہوگیا۔ وہاں تین مساجد میں باہمی رنجشوں کی بناء پر الگ الگ نماز پڑھائی جاتی تھی میں نے کوشش کر کے اور اہل مساجد کی منت سماجت کر کے انھیں آپس میں راضی کیا۔ اور مرکزی جامع مسجد میں سب نے یک جا نماز جمعہ ادا کی۔ میرے لئے یہ عظیم مسرت کا دن تھا۔ اور بوچھال کی تاریخ میں یہ پہلا اجتماعی جمعہ تھا۔

میانی اڈہ پر نماز جمعہ کا اہتمام

ہم سب نے مل جل کر مرکزی مسجد کے لئے خطیب کی تلاش کر لی۔ میانی اڈہ پر ایک مسجد ہے جو یوم تعمیر سے ویران پڑی ہے بہت سے دوستوں نے اصرار کیا کہ اب بوچھال میں تو خطیب کا انتظام ہو چکا ہے آپ اللہ تعالیٰ کے اس بے آباد گھر کو آباد کریں۔ چنانچہ گزشتہ ڈیڑھ سال سے میانی اڈہ کی مسجد میں نماز جمعہ پڑھا رہا ہوں اور رمضان شریف میں تراویح کی امامت کے فرائض بھی سرانجام دیتا ہوں مسجد کی توسیع کے لئے ملحقہ زمین کے مالک ملک محمد حسین صاحب۔ ملک محمد بشیر اور ملک محمد امیر نے حسب ضرورت مفت زمین کا وعدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں تعمیر کی استطاعت دیں۔ مسجد کے بانی الحاج امام دین صاحب تشریف لائے اور توسیع کے پروگرام میں تعاون کا وعدہ کیا۔

کالج میں تعمیر مسجد

اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ گورنمنٹ انٹر کالج بوچھال کلاں میں بھی مسجد کی تعمیر کرانے کی سعادت مجھے نصیب ہوئی۔ الحاج فضل احمد صاحب نے سب سے پہلے ایک ہزار روپیہ دیا اور ہر شخص نے اپنی استطاعت کے مطابق اس کار خیر میں حصہ لیا۔ جزاہم اللہ احسن الجزا میاں سلطان صاحب مالک اعوان بس سروس نے چھت کا سامان اور سیمنٹ مہیا کیا گا ہے گا ہے خطابت کے لئے دوست دوسرے شہروں میں بھی مدعو کرتے ہیں اور میں اس سعادت سے متمتع ہوتا رہتا ہوں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم ہے۔ کہ وہ مجھے دینی خدمت سرانجام دینے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ ورنہ میری بساط ہی کیا ہے

علمائے حق سے ملاقات

مجھے اسلامی زندگی میں بہت سے علمائے حق اور اہل اللہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔

قاضی شمس الدین صاحب اور مولانا محمد فاضل صاحب کی علمی شخصیت سے میں نے بے شمار فوائد حاصل کیئے۔ قیام دارالعلوم دیوبند کے دوران قاری محمد طیب صاحب اور شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی صاحب مرحوم کی شخصیت نے مجھ پر گہرے اثرات چھوڑے۔ میں جمعہ کی نماز باقاعدگی سے قاری طیب صاحب کی اقتداء میں ادا کرتا تھا جو دارالعلوم سے باہر ایک مسجد میں جمعہ پڑھاتے تھے۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کی تلامذت میرے لیے ادب اور فقہ میں دلچسپی کا باعث بنی

اہل اللہ سے ملاقات

اہل اللہ میں مولوی حسین علی صاحب مرحوم کی سادگی دینداری، قرآن و حدیث میں مہارت، اور ان کے خلوص نے مجھے بہت کچھ سکھایا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری کی جرأت، حق گوئی و بیباکی اور زہد و تقویٰ سے میں بڑا متاثر ہوا۔ جہاں کہیں کسی بزرگ آدمی کا پتہ چلتا ہے میں اور میرے بھائی امین صاحب وہاں فیض حاصل کرنے پہنچ جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم کئی اہل اللہ حضرات کی صحبت و زیارت سے مستفیض ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اس شوق کو برقرار رکھیں۔ اولیائے کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں۔ اپنے دین کی خدمت کے لیئے قبول فرمالیں اور نیک بندوں کی رفاقت نصیب فرمائیں کیونکہ۔

یک زمانہ صحبت با اولیا ؛ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اہل اللہ کی علامت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اللہ کی علامت یہ فرمائی ہے کہ انہیں دیکھ کر اپنے رب کی یاد آجاتی ہے۔ دل ذکر الٰہی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں بھی یہی ہدایت موجود ہے وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ۔ یعنی اس شخص کی رفاقت۔ مصاحبت اور اطاعت اختیار کرو۔ جو دل سے غفلت کی تاریکی دور کرنے اور انابت الی اللہ کی طرف رہنمائی کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ اور دنیوی عیش و عشرت اور شان و شوکت سے گریزاں ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اس بلند مقام پر فائز تھے۔ جو اسلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ ان کے اخلاق و کردار کو دیکھ کر لاکھوں لوگوں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی۔ صحابہ کرام کے بعد ہزاروں بلند مرتبہ اہل اللہ امت محمدیہ کو نصیب ہوئے جن کے کردار کی عظمت پر فرشتوں کو بھی رشک آتا تھا۔ مثلاً حسن بصری رح۔ رابعہ بصری رح۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رح

بایزید بسطامیؒ، جنید بغدادیؒ، امام غزالیؒ ہندو پاک میں شاہ ولی اللہؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، علی ہجویریؒ، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور سلطان باہوؒ جیسے پاکیزہ سیرت لوگ ان گنت لوگوں کے لئے رشد و ہدایت کا باعث بنے۔ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔

حلت و حرمت میں امتیاز

اللہ تعالیٰ ان پاکیزہ نفوس کی اطاعت اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ میں نے حلت و حرمت اور جواز و عدم جواز کا جو سبق اسلامی تعلیمات میں دیکھا ہے دوسرے تمام مذاہب اس سے محروم ہیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اہمیت پر جس قدر توجہ اسلام نے دی ہے دوسرے مذاہب اس کا عشر عشیر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ اسلام نے کسب حلال کو اعلیٰ و ارفع عمل قرار دیا۔ حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ اَیُّ الْکَسْبِ اَطْیَبُ قَالَ عَمَلُ الرَّجُلِ بِیَدِہٖ یعنی رزق حلال کی سب سے عمدہ صورت کونسی ہے۔ فرمایا انسان کا اپنے ہاتھوں سے کام کر کے کمانا۔ اس کے مقابل کسب حرام سے ممانعت کی گئی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ جَسَدٌ غُذِیَ بِالْحَرَامِ (مشکوٰۃ ص ۲۴۳) یعنی وہ جسم جنت میں داخل ہونے کے قابل نہیں جس کا گوشت پوست رزق حرام سے پروان چڑھا ہے اور جس کی رگوں میں حرام غذا سے پیدا شدہ خون گردش کر رہا ہے۔

دوسری روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ہے قَالَ مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشَرَۃِ دَرَاھِمَ وَفِیْہِ دِرْھَمٌ حَرَامٌ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ تَعَالٰی لَہٗ صَلٰوۃً مَادَامَ عَلَیْہِ (مشکوٰۃ باب الکسب و طلب الحلال) یعنی اگر کسی شخص نے مثلاً ایک کپڑا دس درہم کے عوض خریدا اور ان میں ایک درہم حرام ذرائع سے حاصل کیا گیا ہے۔ تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر موجود ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز اور عبادت قبول نہیں فرمائیں گے۔

اسی مضمون کی ایک روایت حضرت جابرؓ سے ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ وَکُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ کَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِہٖ (رواہ احمد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گوشت پوست کی نشو ونما حرام غذا سے ہوئی ہے وہ جنت میں داخل ہونے کے قابل نہیں. بلکہ ایسے گوشت پوست کے لئے تو جہنم کی آگ موزوں ہے

مشکوک اشیاء سے اجتناب

حرام تو حرام ہے شریعت نے ہمیں رزق مشکوک کے استعمال کی بھی ممانعت کی ہے. فرمایا دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُكَ یعنی جس چیز کی حلت وحرمت میں تمہیں شبہ ہو اس سے احتراز کرو. اور صرف ان اشیاء کو اپنے استعمال میں لاؤ. جن کی حلت یقینی ہو. ورنہ مشکوک و مشتبہ چیزوں کا استعمال آخر انسان کو حرام کی حدود میں لے جاتا ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت

حقوق العباد کی اہمیت کے سلسلے میں باہمی لین دین کو اہم مقام حاصل ہے. قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں آنحضرتؐ کا ارشاد ہے اس کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو ہیں. فرمایا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ یُغْفَرُ لِلشَّہِیْدِ کُلُّ ذَنْبٍ اِلَّا الدَّیْنَ (رواہ مسلم) یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر راہ حق میں جان عزیز کا نذرانہ پیش کرنا عظیم ترین اعمال میں سے ہے ابھی شہید کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر نہیں گرتا کہ اس کے جملہ گناہوں پر قلم عفو پھیر دیا جاتا ہے. البتہ اگر شہادت کی سعادت پانے والے کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو وہ معاف نہیں کیا جاتا جب تک کہ اس کے ورثاء اس کے قرض کی ادائیگی نہ کر دیں بتایئے حقوق العباد کی اہمیت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک روز آپؐ نے بندوں کے حقوق کی اہمیت بتاتے ہوئے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا بھلا آپ جانتے ہیں کہ مفلس وغریب کسے کہا جاتا ہے. صحابہؓ نے عرض کیا. یارسول اللہ! جس کے پاس دولت نہ ہو عیش وعشرت کے ذرائع نہ ہوں اور فاقے کرنے پر مجبور ہو ہم اُسے مفلس کہتے ہیں۔

فرمایا! نہیں. آپؐ نے مفلس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک شخص بے شمار نیک اعمال لیے بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوگا. لوگ اس کے اعمال حسنہ کی کثرت پر رشک کر رہے ہوں گے. اور ہر ایک کو یقین ہوگا کہ یہ شخص اہل جنت سے ہے. اتنے میں ایک شخص آگے بڑھ کر بارگاہِ خداوندی میں شکایت پیش کرے گا. یا اللہ! اس شخص نے دنیا

میں میرے فلاں فلاں حقوق پہ ڈاکہ ڈالا تھا۔ میں کمزور شخص تھا۔ بدلہ لینے کی استطاعت نہ تھی یا اللہ! میرے حقوق کے سلسلے میں انصاف کیا جائے چنانچہ اس کے نیک اعمال کا کچھ حصہ حقوق کے معاوضے میں مدعی کو دے دیا جائے گا۔ اسی طرح اور کئی دعویدار اُٹھ کھڑے ہوں گے حتیٰ کہ اس کی تمام نیکیاں اپنے اپنے حقوق کے بدلے مدعی لے جائیں گے۔ اس کے پاس کوئی نیک عمل باقی نہ رہے گا اور اُسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ فرمایا۔ غریب تو یہ ہوگا۔

حقوق اللہ میں کوتاہی اور تقصیر کا ازالہ توبہ و استغفار سے ہو سکتا ہے لیکن حقوق العباد میں کوتاہی کی تلافی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک صاحب حق خود معاف نہ کرے یا ضائع کردہ حق کا معاوضہ نہ دیا جائے

مودت و اخوت

معاشرے میں اخوت و بھائی چارے اور امن و سکون کی فضا پیدا کرنے کے لئے اسلام نے کیسی عمدہ تعلیم دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ــ "واللہ لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ" اس سلسلے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر انسان یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کی ماں بہن اور بہو بیٹی کو معاشرے میں احترام کی نظر سے دیکھا جائے۔ تو اس پر بھی لازم ہوگا کہ وہ دوسروں کی ماں بہن کا احترام کرے۔

ہر انسان اس امر کا خواہاں ہے کہ اُسے مارکیٹ سے اشیائے ضرورت خالص صورت میں دستیاب ہوں قیمت مناسب ہو۔ ناپ تول میں پوری ہوں۔ ضرورت پڑنے پر دستیاب ہو سکیں تاجر ذخیرہ اندوزی کر کے بلیک مارکیٹ میں فروخت نہ کریں تو اس کے لئے بھی ضروری ہوگا کہ اگر وہ تاجر ہے تو ملاوٹ، کم تولنے، کم ناپنے، گراں فروشی، ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹ میں فروخت کرنے سے اجتناب کرے۔

ہر شخص آرزومند ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ میرے ساتھ معاملات میں امانت، دیانت اور صداقت سے کام لیں۔ کوئی شخص یہ پسند نہیں کرتا کہ دوسرے اس پر ظلم روا رکھیں یا اس کے حقوق ضائع کریں یا دوسرے رشوت اور سفارش سے اس کے جائز حق کو پامال کریں۔ تو خود اس پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ خود بھی دوسرے سے معاملات میں امانت، دیانت اور صداقت سے کام لے۔ کسی پر بھی ظلم روا نہ رکھے۔ اور نہ رشوت، سفارش جیسے ناجائز ذرائع سے کسی دوسرے کا حق غصب کرے۔

اگر ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف اسی ایک ارشاد گرامی کو واللہ ایک شخص اس وقت تک صاحب ایمان نہیں بن سکتا۔ جب تک اس میں یہ خوبی پیدا نہ ہو کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔ خلوص دل سے اپنا لیں۔ تو ہم اپنے معاشرے کو ہر برائی سے پاک کر سکتے ہیں جس میں ہر شخص کو اپنا جائز حق مل سکے۔ ہر شخص امن و سکون کی نیند سو سکے۔ ہر فرد اپنی عزت کو محفوظ رکھ سکے۔ نہ کسی کو سنگسار کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ نہ کسی کو قطع ید کی سزا ملے اور نہ کسی کو کوڑوں کا نشانہ بننا پڑے۔ دور نبوت و خلافت راشدہ کے عہد میں کتنے لوگ تھے جو سنگسار ہوئے۔ کتنے ہاتھ تھے جو کٹے۔ کتنے لوگ تھے جن کو کوڑے لگائے گئے کوئی ایسا واقعہ تلاش کرنے ہی سے مل سکے گا۔

ہمارے ہاں کتاب وسنت کی صورت میں ہر برائی کا علاج موجود ہے اگر ہم کتاب وسنت کے زریں اصولوں کو عملی زندگی میں اپنا لیں تو ہم اپنے معاشرے کو اتحاد و اتفاق۔ اخوت و مساوات اور امن وسکون کے لحاظ سے جنت کی نظیر بنا سکتے ہیں۔

الغرض اسلام نے حقوق العباد کی حفاظت و صیانت کے لئے ایک ایسی واضح راہ متعین کر دی ہے۔ جس پہ گامزن ہو کر انسان ایک ایسے اعلیٰ وارفع مقام پہ پہنچ جاتا ہے کہ دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں۔

فرائض منصبی کی نگہداشت اسلام کی اس مقدس تعلیم ہی کا اثر ہے کہ ہمارے گھر میں سب کچھ موجود ہے لیکن الحمدللہ حرام ذرائع سے حاصل کی ہوئی کوئی چیز نہیں۔ جہاں تک محکمہ تعلیم میں میرے فرائض منصبی کا تعلق ہے میرا اللہ شاہد ہے کہ میں نے آج تک اپنا پیریڈ بھی ضائع نہیں کیا۔ میرے پیارے مذہب نے سکھایا ہے۔ کہ اگر بلا عذر عمداً ایک پیریڈ بھی ضائع کر دیا جائے تو اس دن کی اُجرت حرام ہو گی جو ساری تنخواہ کو حرام بنا دے گی یہ اسلامی تعلیم کا کرشمہ ہے۔ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی ایمان کی تعمیر کے لئے خشت اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر ہم اہل پاکستان اس اصول پہ کاربند ہو جائیں تو ہم اپنے پیارے وطن کو بہت جلد ترقی یافتہ ممالک کی صف میں کھڑا کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض کی کماحقہ ادائیگی کی توفیق دے۔ تاکہ ہم ملک وملت کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کر سکیں اور غیر مسلم اقوام کے لئے ایک عمدہ نمونہ پیش کر سکیں جو نمونہ صحابہ کرامؓ ائمہ دین اور اولیائے عظام نے پیش کیا۔ کہ ان کے اعلیٰ کردار۔ عمدہ اخلاق اور ان کی

فرمن شناسی نے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔

بایزید بسطامیؒ اور عیسائی ہمسفر

اسی اسلام نے حضرت بایزید بسطامیؒ جیسے مقدس لوگ پیدا کیے۔ ایک دفعہ حضرت بایزید سفر کر رہے تھے ایک عیسائی بھی آپ کے ساتھ ہو لیا۔ جب دوپہر کے کھانے کا وقت قریب آیا تو حضرت بایزیدؒ نے ساتھی سے کہا۔ گاؤں قریب ہے کھانے کا انتظام کر لیں عیسائی ساتھی نے کہا حضرت آپ تو خدا رسیدہ بزرگ ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ کھانے کا سامان مہیا کر دے۔

حضرت نے دو نفل ادا کیے اور بارگاہ رب العالمین میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے یا اللہ! یہ شخص میرے دین کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ اپنے دین کی لاج رکھ لیں تاکہ مجھے اس کے سامنے ندامت نہ ہو۔ ہمارے لیے کھانے کا انتظام فرما دیجیے۔ حضرت ابھی دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ایک شخص چار روٹیاں اور سالن لے کر حاضر ہوا۔ دونوں نے سیر ہو کر کھایا اور سفر پہ روانہ ہو گئے۔

شام کو عیسائی ساتھی نے کہا۔ جناب! شام کے کھانے کا انتظام میں کروں گا۔ عیسائی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور ایک شخص آٹھ روٹیاں اور دگنا سالن لیے حاضر ہوا۔

حضرت بایزیدؒ حیران تھے۔ ساتھی سے پوچھا تم نے کیا دعا مانگی تھی۔ عیسائی ساتھی نے نے کہا پہلے تو مجھے مسلمان کیجیے۔ لبعد میں دعا کی تفصیل عرض کروں گا۔ حضرت نے اپنے ساتھی کو مشرف باسلام کیا۔

ساتھی نے بتایا۔ میں نے یہ دعا مانگی تھی اے پروردگار اگر اسلام سچا دین ہے اور بایزیدؒ تیرا مقبول بندہ ہے۔ تو ہمیں دوپہر کے مقابلے میں دگنا کھانا عطا فرما۔ چنانچہ دعا کا اثر آپ نے دیکھ لیا۔ اسلامی تعلیمات نے امتِ محمدیہ میں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں ایسے انسان پیدا کیے جن پر انسانیت کو فخر ہے۔

توحید ربانی

اسلامی تعلیمات کا طرۂ امتیاز توحید باری تعالیٰ ہے۔ اس وقت دنیا کے دیگر تمام مذاہب تصور توحید سے محروم ہیں۔ کہیں تو اصنام پرستی کو دھرم کی بنیاد تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہیں تثلیث کی حکمرانی ہے کہیں ثنویت کا نظریہ کارفرما ہے۔ بلکہ روئے زمین کے اکثر حصے پر شرک وکفر کا غلبہ ہے تمام انبیا کرام سلام اللہ علیہم اجمعین نے اپنی اپنی امتوں کو توحید

ربانی کا درس دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیا ۲۵) یعنی آپ سے پہلے جتنے رسول مبعوث کئے گئے ان سب کو بذریعہ وحی بھی پیغام دیا گیا۔ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میری ہی عبادت کرو۔ ہر نبی اور رسول نے اپنی امت کو لا الٰہ الا اللہ کا بنیادی پیغام پہنچایا۔ خدائے واحد کے سامنے جھکنے کی تعلیم دی مگر پیغمبر کے دنیا سے رخصت ہوتے ہی امت کے افراد تعلیم ربانی کو مسخ کر دیتے۔ ہوائے نفسانی کی اتباع میں شرک وکفر کی تاریک وادیوں میں بھٹکنے لگتے۔ چنانچہ آج کوئی مذہب بھی سوائے اسلام کے یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ منزل من اللہ کتاب ہمارے پاس صحیح ومحفوظ صورت میں موجود ہے۔ تورات ہو یا انجیل۔ زبور ہو یا دیگر صحائف تحریف لفظی ومعنوی سے محفوظ نہ رہ سکے بلکہ یہود ونصاریٰ نے تورات وانجیل کا حلیہ بگاڑ دیا۔ یہ شرف صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے۔ کہ صرف قرآن کریم ہی اصلی وصحیح صورت میں موجود نہیں ہے بلکہ سید دو عالم کے ارشادات، اعمال اور احوال کا ریکارڈ بھی حدیث نبویؐ کی صورت صحیح وسالم اور محفوظ ومصون طور پر موجود ہے۔ غیر مسلم سکالر بھی اس بات کے شاہد ہیں۔ پروفیسر نکلسن لٹریری ہسٹری آف عریبیا میں رقمطراز ہیں۔ کہ یہ فخر صرف امت محمدیہ کے افراد کو حاصل ہے جو کلام الٰہی کے علاوہ اپنے پیغمبر کے ارشادات بھی سینے سے لگائے ہوئے ہیں اور ان میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں آنے دیا۔

ہم فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ توحید ربانی کا علمبردار اب صرف اسلام ہی ہے اس توحید کی بنیاد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پر استوار ہوتی ہے۔ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات کے لحاظ سے وحدہٗ لاشریک ہیں۔ وہی ذات خالق کائنات اور رب العالمین ہے۔ مخلوق میں کوئی شخص نبی ہو یا رسول۔ اوتار ہو یا ولی، بادشاہ ہو یا فقیر۔ حاکم ہو یا محکوم جاندار ہو یا بے جان اس کی ذات وصفات میں شرکت نہیں رکھتے۔ وہی ہمارا پیدا کرنے والا۔ ہماری مشکلات ومصائب کا ازالہ کرنے والا۔ ہماری حاجت روائی کرنے والا۔ ہمارے کمال وزوال کا مالک اور متصرف فی الامور ہے۔ وہی علیم وخبیر، راز دانِ ظاہر وباطن۔ دانائے غیوب اور حاضر وناظر ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰی عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (آل عمران ۵) وہی کائنات کی تمام حقیقتوں کو جاننے والا ہے وہی ذات اس قابل ہے کہ صرف اُس کی عبادت

کی جائے اسی کی بارگاہ میں اپنے سر کو نگوں کیا جائے اسی کے نام کی نذر و نیاز دی جائے اسی کے نام پر چڑھاوے چڑھائے جائیں۔ اس کی رضا کے لیے اسی کے مقدس نام پر صدقہ و خیرات دی جائے دنیا کی تمام مخلوق انسان ہوں یا جن ملائکہ ہوں یا دیگر کوئی مخلوق۔ نبی ہوں یا رسول صحابہ ہوں یا اولیاء، شاہ ہوں یا گدا۔ حاکم ہوں یا رعایا سب اسی کے محتاج اور غلام ہیں۔ سورۂ اخلاص میں جسے ثلث القرآن کا نام دیا جاتا ہے توحید باری کو کس وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (سورۃ الاخلاص)

"کہہ دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔"

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم توحید کی دعوت لے کر اٹھے تھے۔ اس وقت دنیا کے مذہبی تصورات کیا تھے بت پرست مشرکین ان خداؤں کو پوج رہے تھے۔ جو لکڑی، پتھر، سونے چاندی وغیرہ مختلف چیزوں کے بنے ہوتے تھے شکل و صورت اور جسم رکھتے تھے۔ دیوی اور دیوتاؤں کی باقاعدہ نسل چلتی تھی نہ کوئی دیوی بے شوہر نہ تھی اور کوئی دیوتا بے زوجہ نہ تھا۔ ان کو کھانے پینے کی ضرورت بھی لاحق ہوتی ہے اور ان کے پرستار ان کے لیے اس کا انتظام کرتے تھے مشرکین کی ایک بڑی تعداد اس بات کی قائل تھی کہ خدا انسانی شکل میں ظہور کرتا ہے اور کچھ لوگ اس کے اوتار ہوتے ہیں عیسائی اگرچہ ایک خدا کو ماننے کے مدعی تھے مگر ان کا خدا بھی کم از کم ایک بیٹا تو رکھتا ہی تھا اور باپ بیٹے کے ساتھ خدائی میں روح القدس کو بھی حصہ دار ہونے کا شرف حاصل تھا۔ حتیٰ کہ خدا کی ماں بھی ہوتی تھی اور اس کی ساس بھی۔

(۲) یہودی بھی ایک خدا کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے۔ مگر ان کا خدا بھی مادیت۔ جسمانیت اور دوسری انسانی صفات سے خالی نہ تھا۔ وہ ٹہلتا تھا انسانی شکل میں نمودار ہوتا تھا اپنے کسی بندے سے کشتی بھی لڑ لیتا تھا اور ایک عدد بیٹے عزیر کا باپ بھی تھا۔

ان مذہبی گروہوں کے علاوہ مجوسی آتش پرست اور صابی ستارہ پرست۔ اس حالت میں جب اللہ وحدہٗ لاشریک کو ماننے کی دعوت لوگوں کو دی گئی تو ان کے ذہنوں میں یہ سوالات پیدا ہوئے کہ وہ رب ہے کس قسم کا جسے تمام ارباب اور معبودوں کو چھوڑ کر تنہا ایک ہی رب اور معبود کو تسلیم

کرنے کی دعوت دی جارہی ہے۔ کلام اللہ کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے ان سوالات کا جواب چند الفاظ میں دے کر اللہ کی ہستی کا ایک واضح تصور پیش کر دیا جو تمام مشرکانہ تصورات کا قلع قمع کر دیتا ہے اور اس کی ذات کے ساتھ مخلوقات کی صفات میں کسی صفت کی آلودگی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتا۔ (تفہیم القرآن)

صمد اس ذات کو کہا جاتا ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو اور باقی سب اس کے محتاج ہوں۔ یہ ذات صرف اللہ کی ہے۔ اور صمد صرف اسی کی صفت ہے۔ سورۂ اخلاص میں تمام ادیانِ کاذبہ کا ابطال موجود ہے۔

مقامِ نبوت توحید ربانی کی یہ تعلیم کائنات کو نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے دی گئی جن کو اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد اعلیٰ و ارفع مقام حاصل ہے بقول شاعر ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آپؐ نے تعلیماتِ اسلامی کی عملی تفسیر پیش کی۔ رب کا جو پیغام بندوں تک پہنچایا اس کا عملی نمونہ پیش کیا۔ ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب ۔ ۲۱) درحقیقت تم لوگوں کے لئے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی نمونہ سنت کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ آپؐ سلسلۂ نبوت کے آخری نبی تھے لیکن ۔ آخر آمد بود فخر الاولین۔

آپ سے پہلے انبیاء اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ مگر آپ کی نبوت پوری کائنات کے لئے ہے۔ ارشاد ربانی ہے وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا (النساء ۔ ۷۹) ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ کی نبوت کسی ملک کسی براعظم کسی قوم کسی رنگ یا کسی نسل سے کوئی خصوصیت نہیں رکھتی۔ بلکہ آپ کا پیغام روئے زمین کے ہر فرد کیلئے ہے اور قیامت تک ہر فرد اس دعوت میں شامل ہے۔ سابقہ انبیاء کی طرح چونکہ آپ کی نبوت کا تعلق کسی خاص علاقے یا کسی مخصوص وقت سے نہیں تھا۔ اسی لئے آپؐ کی تعلیمات کو تغیر و تبدل سے محفوظ رکھا گیا۔ چونکہ یہ پیغام ابدی تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ

وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ : ۳) آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے

ختمِ نبوت تکمیل دین اور ختم نبوت لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ سلسلۂ نبوت کا آپ کی بعثت کے بعد انقطاع ایک ضروری امر ہے نامکمل چیز کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کسی تکمیل کنندہ کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ لیکن ہر لحاظ سے مکمل چیز کی تکمیل تحصیل حاصل کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے آپ کے بعد قیامت تک کسی نبی کی ضرورت نہیں جو دین کی تکمیل کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایسا دور آ رہا تھا۔ جس میں ذرائع آمد و رفت اور رسل و رسائل کی ترقی کی بنا پر دنیا کے ممالک ایک دوسرے کے بہت قریب آنے والے تھے۔ اور ایسے آلات ایجاد ہونے والے تھے۔ کہ ایک شخص کی آواز تمام ربع مسکون تک پہنچ سکے۔ اس لئے صرف ایک کامل و اکمل ہادی کی ضرورت تھی جو تمام بنی نوعِ انسان کو اتحاد و اخوت کا درس دے۔ اور یہ ہادیٔ اکمل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں تشریف لائے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انسانیت نے حضرت آدم علیہ السلام کی صورت میں جنم لیا تھا حضرت عیسٰی علیہ السلام تک انسانیت بچپن کی مختلف منازل طے کرتی رہی۔ ممالک میں باہمی طور پر بعد تھا اس لئے ہر قوم کی طرف الگ الگ نبی تشریف لاتے رہے۔ لیکن سید الاولین والاخرین کی بعثت کے دور تک انسانیت ہزاروں صدیاں بیت جانے کے بعد بچپن کی منازل طے کر چکی تھی جوانی اور پختہ کاری کی منزل میں قدم رکھ چکی تھی۔ اس سٹیج پر انسانیت کیلئے مکمل فلسفۂ حیات کی ضرورت تھی جو اس کے عقائد، کردار، اخلاق اور تمام متعلقہ امور کے لئے ایک ضابطہ پیش کر سکے۔ اس فلسفۂ حیات کا ظہور قرآن کریم کی صورت میں ہوا اور اس فلسفے کے اوّلین و آخریں معلم محمد رسول اللہ تھے۔ جن کا پیغام دینی و دنیوی، جسمانی و روحانی دنیاوی اور اخروی تمام امور پر مشتمل ہے۔ جس میں فلاح دارین ہے اب انسانیت جوانی کے عالم سے نکل کر بڑھاپے کی طرف قدم بڑھا رہی ہے۔ اب کسی نئے ہادی کی ضرورت نہیں بوڑھے طوطے نہیں پڑھا کرتے۔ انسانیت کو دورِ شباب میں مکمل ضابطۂ حیات مل چکا ہے۔ ایک وقت آنے والا ہے جب بوڑھی انسانیت اپنی عمر کی انتہا کو پہنچ جائے گی اور دم

توڑ دے گی۔ یہی قیامت کا نقطہ آغاز ہو گا۔ اسی قیامت کے روز تمام انسانوں کو زندگی عطا کی جائیگی انسان اپنے اعمال کا حساب دے گا۔ کیونکہ انسان دارالعمل سے گزر کر دارالجزا میں قدم رکھ چکا ہے۔

قیامت

قیامت پر یقین رکھنا ایمان کی مبادیات میں داخل ہے تاکہ انسان ہر عملی قدم اٹھانے سے پہلے غور وفکر کرے کہ کل میرا محاسبہ بھی ہونا ہے قیامت پر ایمان و یقین برائیوں کے سیلاب کے سامنے ایک مضبوط بند کی حیثیت رکھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان شتر بے مہار کی طرح گناہوں اور بدکاریوں کی تاریک اور خاردار وادیوں میں اپنے دامن عصمت وعفت کو تار تار نہیں کرتا بلکہ یوم الدین کے محاسبے کا خوف اس کے قلب وضمیر کو روشنی عطا کرتا ہے اور وہ طاغوتی طاقتوں کی بجائے رحمان سے اپنا رشتہ استوار کرتا ہے۔ قیامت کا جو تصور ہمارے اعمال کی اصلاح کیلئے اسلام نے دیا ہے۔ دوسرے مذاہب میں مفقود ہے کیونکہ اسلام کے سوا دوسرے الہامی مذاہب نے ربانی تعلیمات کا حلیہ بگاڑ دیا۔

صحابہ کرامؓ

اللہ تعالیٰ نے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کے مقام پر فائز کیا۔ کتاب اللہ کی صورت میں آپ کو ابدی پیغام سے نوازا گیا اور اس کی حفظ وصیانت کے تمام اسباب مہیا فرما دیے۔ آپ جیسے بے مثل و بے عدیل رسول کو بے مثال اور بے نظیر صحابہ کرامؓ عطا ہوئے۔ جو اسلام کے سچے شیدائی اور قرآن وسنت کے بے مثل امین تھے۔ اسلام کے اس پودے کی آبیاری صحابہ عظام نے اپنے مقدس خون سے کی۔ کما یقول الشاعر

وہ اسلامی شجر جس کو محمدؐ نے لگایا تھا

وہ اسلامی شجر جس کو صحابہؓ نے بڑھایا تھا

نہیں یہ وہ شجر جس نے کہ پانی سے غذا پائی

صحابہؓ نے پلایا خون اس نے پرورش پائی

بنے مالی ائمہ دین تو اس پہ بہار آئی

ہوتے ہم ناخلف ایسے کہ اس کی شکل مرجھائی

صحابہ کرام کے بعد آئمہ دین اور اولیائے کرام نے اس مقدس امانت کی نگہداشت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کیا۔ یہاں تک کہ نور اسلام اقصائے عالم تک پھیل گیا اب کفر لاکھ جتن کرے

رشد و ہدایت کا یہ چراغ گل نہیں کیا جا سکتا ۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

پادری صاحب سے گفتگو

جب میں طلب علم کے سلسلے میں پنڈی گھیب مدرسہ خادم الشریعت میں مقیم تھا۔ تو تبلیغ کے سلسلے میں ایک عیسائی مشن ایک پادری فادر ولیم صاحب کی سرکردگی میں پنڈی گھیب پہنچا۔ مشن کے ساتھ چرچ کے دو تین مرد اور عورتیں تھیں۔ پنڈی گھیب کی مشرقی جانب کھلے میدان میں انہوں نے خیمے نصب کئے۔ وہاں آنے جانے والوں کو عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگے۔ شام کے وقت میں نے ایک دو ساتھی طلبہ کو ہمراہ لیا اور پادری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

پادری صاحب نے ہمیں دیکھ کر فرمایا آپ مسلمان ہمارے ساتھ مذاق کرنے آتے ہیں۔ آج صبح سے مسلمان نوجوان ہمارے پاس صرف چائے پینے اور ہماری عورتوں کو گھورنے کے لئے آتے رہے۔ دین کے معاملات کا انہیں ذرا علم نہیں۔ میں اور میری ٹیم کے افراد تھک چکے ہیں۔ آپ کو اگر گفتگو کا شوق ہے۔ تو صبح آجایئے۔

پادری صاحب! ہم طالب علم ہیں۔ صبح کے وقت ہم درس و تدریس میں مصروف ہوتے ہیں دوسری بات یہ ہے کہ ہم نہ تو چائے کے طالب ہیں نہ آپ کی ٹیم کی عورتوں کو دیکھنے کے مشتاق پادری صاحب! میرا نام غازی احمد ہے۔ میں نے ہندو گھرانے میں جنم لیا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں اسلام قبول کیا اور اب علوم اسلامیہ کا ابتدائی طالب علم ہوں۔ البتہ اپنے مذہب کے انجیل سے کچھ نہ کچھ واقفیت بھی رکھتا ہوں۔ آپ کی خدمت میں خلوص دل سے حاضر ہوا ہوں اگر آپ اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کی صداقت ثابت کر دیں تو میں بطیب خاطر آپ کا مسلک اپنا لوں گا۔

میری باتیں سن کر پادری صاحب بہت خوش ہوئے۔ ہمیں اپنے مرکزی خیمے میں کرسیوں پر احترام سے بٹھایا۔ ان کی ٹیم کے باقی ممبر بھی آ گئے۔ اور ہماری گفتگو کا آغاز ہوا پادری صاحب! میں آپ سے کچھ سوالات دریافت کرنا چاہتا ہوں اگر آپ نے علمی و عقلی جوابات سے مجھے مطمئن کر دیا تو مجھے آپ کی بات تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہو گا۔ میں اسلام کے بنیادی نظریہ کی بات کروں گا اور اسی طرح عیسائیت کے بنیادی عقیدہ کے متعلق کچھ پوچھوں گا۔

میں توحید ربانی کی تشریح کرتا ہوں آپ تثلیث کی توضیح کریں۔ دونوں میں تقابلی بحث سے حق نکھر کر سامنے آجائے گا۔

میں نے قرآنی آیات سے استشہاد کرتے ہوئے نظریہ توحید کی وضاحت کی جس کے ضمن میں عقیدہ تثلیث کا رد بھی موجود تھا۔ پادری صاحب! تثلیث کے قائلین تین خدا مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں اور حضرت مریمؑ کو خدا کی بیوی۔ اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ باپ۔ ماں اور بیٹا اپنی تمام خصوصیات میں اشتراک رکھتے ہیں۔ اور ہم جنس ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے حضرت مریم کے بطن سے جنم لیا۔ اور حضرت مریمؑ بھی عمران کی بیوی کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے کہ ان کی والدہ کون تھیں۔

پادری صاحب نے فرمایا۔ کہ روح اللہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور کلمہ سے پیدا کیا۔

جناب! پھر تو حضرت عیسیٰ مخلوق ہوئے، روح القدس بھی مخلوق ہوئے ذرا سوچیئے۔ مخلوق خالق کے ہم جنس کیونکر ہو سکتی ہے۔

پادری صاحب دوسری بات یہ ہے کہ ہم جنس اشیاء کے افراد کی تمام خصوصیات باہم مشابہت اور مجانست رکھتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مخلوق تھے۔ انسان تھے۔ بشریت کے تمام تقاضے ان میں موجود تھے۔ کھانے پینے اور سونے کے محتاج تھے۔ تمام انسانی عوارض اور امراض ان کو لاحق ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی ان تقاضوں۔ عوارض اور امراض وغیرہ سے بری نہیں ہو سکتا۔ ہماری کتاب ایسے خدا کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ جو ہماری طرح کھانے پینے، سونے اور صحت برقرار رکھنے کا محتاج ہو۔ ہمیں قرآن کریم اپنے رب کے متعلق بتاتا ہے۔

لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (البقرہ - ۲۵۵) نہ اُسے اونگھ آتی ہے نہ اُسے نیند کی احتیاج۔ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے اس کا مملوک اور غلام ہونے کا دم بھرتا ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ : ۱۱) اس کی مثال اور مجانست تو ممکن ہی نہیں وہ تو یکتا۔ بے مثل سمیع و بصیر ہے۔ لیکن آپ کے نظریے کے مطابق آپ کا خدا تمام انسانی ضروریات کا محتاج ہے۔

پادری صاحب اس سوال کا واضح اور تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ جو میرے ضمیر کو مطمئن کر سکتا۔ پھر فرمانے لگے اگر آپ خدا کو وحدہٗ لاشریک تسلیم کریں۔ تو نبی اور رسول تو محض انسان ہی ہوں گے۔ اور منصب رسالت پر کیسے فائز ہوں گے۔

مقامِ انسانیت

پادری صاحب! آپ تو مقامِ انسانیت ہی سے آگاہ نہیں ہیں۔ تبھی تو آپ رسالت اور بشریت میں تضاد کے قائل ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام تھے وہ بشر ہونے کے ساتھ ساتھ رسول بھی تھے۔ آپ کی نسل جوں جوں دنیا میں بڑھتی چلی گئی۔ اسی نسل سے اللہ تعالیٰ نبی مبعوث فرماتا رہا حتیٰ کہ سلسلہ نبوت کے آخری نبی ہمارے رسول تھے۔

انسانیت کا مقام تمام مخلوق میں ممتاز و منفرد اور اعلیٰ و ارفع حیثیت کا حامل ہے۔ آپ کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ آپ اور ہم تمام لوگ اپنے آپ کو کامل انسان خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم میں ہزاروں خامیاں اور نقائص موجود ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ ہم کامل انسان نہیں ہیں ہم اپنے کردار اور اعمال کی وجہ سے انسانیت کے اُجلے دامن پر بدنما داغ ہیں انبیائے کرام انسانیت کی مکمل تصویر تھے۔ جن کی انسانیت اور بشریت میں کسی نقص یا عیب کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں چادرِ عصمت میں لپیٹ کر تمام عیوب و نقائص سے دور کر دیا تھا۔

جناب ہر نبی اپنی امت کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر نبی امت کی جنس سے نہ ہو تو نمونہ نہیں بن سکتا۔ دیکھئے مثلاً ہمارے آقا نے لوگوں کو روزے رکھنے کا حکم دیا۔ اور خود بھی بھوک اور پیاس برداشت کر کے کثرت سے روزے رکھے۔ لیکن اگر آپؐ میں بھوک اور پیاس کا احساس ہی نہ ہوتا۔ تو شاید افرادِ امت بھی عرب جیسے گرم ترین ملک میں جون جولائی کے گرم موسم میں کبھی بھی روزہ رکھنے کا اہتمام نہ کرتے۔ آپؐ نے دیانت داری، صداقت، کسبِ حلال اور برائیوں سے احتراز کی جو تعلیم دی اس پر عمل کر کے دکھایا۔ یہی حال ہمارے نبی عیسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ انھوں نے اپنی امت کے افراد کا شبہ دور کرنے کے لئے طفولیت کے دور میں پنگوڑے میں لیٹے ہوئے فرمایا۔ اِنِّی عَبْدُ اللّٰهِ (مریم : ۳۰) میں اللہ کا بندہ ہوں۔ نیز ارشادِ ربانی ہے۔ لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ (النساء : ۱۷۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بندہ

ہونے اور اپنی انسانیت و بشریت کو تسلیم کرنے سے کبھی اعراض نہیں کیا بلکہ آپ اظہار حقیقت کے لئے برملا اس کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

اس بارے میں ہمارے آخر الزمان رسول نے بھی اس حقیقت کو قرآن کی زبان میں واشگاف طور پر بیان فرما دیا۔ کیونکہ اہل عرب بھی بشریت اور رسالت میں منافات کے قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج (الکہف: ۱۱۰)
اے رسول! ان کا شبہ دور کرنے کے لئے بیان فرما دیجئے کہ میں بھی تمہاری ہی جنس کا ایک فرد ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے مقام نبوت پر سرفراز کیا ہے اور میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا پیغام لے کر آیا ہوں جس سے تم غافل اور نابلد ہو چکے تھے۔ سورۃ فصلت آیت نمبر ۶ میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے ہر نبی نے اپنے اپنے دور میں اس اشتباہ کا ازالہ کیا۔ ارشاد ربانی ہے قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (ابراہیم: ۱۱)
تمام رسولوں نے اپنی اپنی امت کے افراد پر واضح کر دیا۔ کہ ہم انسان ہیں تمہاری ہی جنس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نبوت سے سرفراز فرما کر دوسرے انسانوں سے ممتاز اور منفرد فرما دیا ہے۔ دنیا میں نبوت کا اعزاز سب سے بلند اعزاز ہے جو روایات کے مطابق کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار حضرات کو نصیب ہوا۔ ہمارے دین کی بنیاد کی خشت اول کی حیثیت کلمہ شہادت کو حاصل ہے جس میں رسول اکرم کی عبدیت کی شہادت موجود ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

پادری صاحب! بشریت انبیاء کے بارے کتاب الٰہی میں بہت سے ارشادات موجود ہیں۔ اب سارے تو مجھے بھی یاد نہیں۔ آپ چاہیں تو میں لکھ کر لا سکتا ہوں۔ جناب! جب عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت ثابت ہو جاتی ہے تو وہ ہرگز درجہ الوہیت پر فائز نہیں ہو سکتے۔ اور تثلیث کے نظریے کے خیالی محلات ریت کی دیواروں کی طرح دھڑام سے گر پڑتے ہیں۔

پادری صاحب کے ساتھ کافی دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ مجھے متاثر کرنے کی بجائے پادری صاحب خود ہی لاجواب اور متاثر دکھائی دیتے تھے۔ اتنے میں ان کا خادم چائے لیکر آ گیا مگر ہم نے معذرت پیش کر دی۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہم چائے پینے نہیں آئے۔ پھر کبھی پی لیں گے

میں نے پادری صاحب کو مسجد میں آنے کی دعوت دی کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں ہم آپکا پورا پورا احترام بجالائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے استاد مکرم جناب قاضی شمس الدین صاحب آپ سے مذہب کے بارے گفتگو فرمائیں۔ مگر پادری صاحب نے مصروفیت کی بنا پر معذرت کر دی۔

پادری صاحب مجھے دوسرے خیمے میں لے گئے اور فرمایا آپ بہت اچھے انسان ہیں آپ نے میرے ساتھ سلیقہ مندی سے بات چیت کی ہے۔ میں آپ کی گفتگو سے بہت خوش ہوں۔ اگر آپ عیسائیت کا مطالعہ کرنا چاہیں تو ہمارے پاس کیمبلپور چرچ میں تشریف لائیں ہم آپ کے تمام مصارف اور ضروریات کے متحمل ہوں گے۔

میں کیمبلپور پہنچ کر آپ کے تمام سوالات کا جواب لکھ کر ارسال کر دوں گا۔

پادری صاحب! آپ کا شکریہ۔ میں چونکہ ایک طالب علم ہوں۔ میرے پاس اتنی فراغت نہیں کہ آپ کے ہاں حاضری دے سکوں۔ آپ کے خط کا جواب ضرور دوں گا۔

الحمدللہ! جب میں وہاں سے لوٹا تو میرے ایمان میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ اسلام کے ساتھ میری محبت اور شیفتگی نے مجھے بے پایاں مسرت عطا کی۔ جب مولانا شمس الدین صاحب کو یہ واقعہ بتایا تو فرمانے لگے کہ تم تو ابھی علوم اسلامیہ کی ابتدائی کتب کے طالب علم ہو مجھے ساتھ لے جاتے

پادری صاحب نے چرچ میں پہنچ کر ایک طویل خط لکھا جس میں تثلیث کے بارے تو ایک لفظ بھی نہ تھا۔ البتہ اسلام پر بے جا قسم کے اعتراضات مرقوم تھے۔ میں نے استاد گرامی کے تعاون سے ان کے وافی و شافی جوابات تحریر کیے اور پادری صاحب کو ارسال کیے۔

تقریباً چھ ماہ تک ہماری باہمی مراسلت جاری رہی۔ پادری صاحب مجھے نظر انداز کرنا نہیں چاہتے تھے۔ ایک دن شام کو ایک کار میں سوار دو نوجوان خواتین تشریف لائیں۔ اور فرمایا کہ ہمیں پادری ولیم صاحب نے آپ کو ساتھ لانے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ آپ کچھ روز ہمارے ہاں گزاریں اور سکون کے ساتھ مذہبی گفتگو میں شریک ہوں۔ میں نے معاملے کی حقیقت کو بھانپ لیا کہ ولیم صاحب نے اپنے مذہب کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے جو براہِ قاطع اب پیش کی ہے اس کا جواب شاید مجھ سے نہ دیا جا سکے۔

خواتین نے بڑا اصرار کیا آپ ہمارے ساتھ ضرور چلیں وہاں آپ کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ فادر ولیم صاحب نے ساتھ لانے کی بہت تاکید کی ہے۔ ان کے اصرار کے باوجود میں نے رفاقت سے معذرت کر دی کہ وہاں جانے سے میرا تعلیمی حرج ہوگا۔ میں خود کسی موزوں وقت پر حاضر ہو جاؤں گا خواتین بادلِ نخواستہ خود ہی تشریف لے گئیں۔

ولیم صاحب نے بذریعہ خواتین تبلیغ کرنے کا طریق اختیار کیا تھا۔ لیکن وہ اس حقیقت سے آشنا نہ تھے کہ جس شخص کا دل اپنے آقا سید دو عالم اور نبی رحمت کی ابدی الفت و محبت سے لبریز ہو دولت کی فراوانی یا عورتوں کے حسن و جمال کی رنگینیاں اُسے متاثر نہیں کر سکتیں اور نہ ایسا شخص جادۂ اعتدال سے انحراف کی جرأت کر سکتا ہے۔ اگر اسلام قبول کرنے کا میرا مقصد عورت کا حصول ہوتا تو یہ مقصد میں والدین کے ہاں بھی حاصل کر سکتا تھا۔ جب کہ والدین ایک معزز گھرانے میں رشتے کے متعلق سلسلہ جنبانی کر رہے تھے۔

اس قسم کا ایک واقعہ بھدرواہ میں نہال چند صاحب کے گھر بھی پیش آچکا تھا۔ یہ امر اُس مذہب کے بودے پن اور کمزوری کا پتہ دیتا ہے۔ جو دولت۔ اقتدار اور عورتوں کے حسن و جمال کو مذہبی اشاعت کا ذریعہ بناتا ہے۔

سیّد دو عالم کا واقعہ

کفارِ عرب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام دلفریب چیزوں کی پیشکش کی تھی۔ کہ اگر آپؐ کی خواہش ہو تو ہم آپ کے قدموں میں دولت کے انبار لگا دیں۔ اگر آپ سیادت و قیادت کے آرزو مند ہیں تو ہمیں آپ کو اپنا سردار تسلیم کرنے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر آپ شادی کے مشتاق ہیں تو ہم آپ کی خدمت میں عرب کی حسین ترین عورات پیش کرنے کو تیار ہیں۔ ہم آپ کا ہر مطالبہ بسر و چشم ماننے کو تیار ہیں۔ اور آپ سے صرف ایک بات کے خواہاں ہیں کہ ہمارے معبودوں کے خلاف تبلیغ کرنا ترک کر دیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا مجھے تمہاری کسی پیشکش کی نہ تو خواہش ہے اور نہ ضرورت اللہ تعالیٰ نے مجھے منصب نبوت پر سرفراز فرمایا ہے۔ اور میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں اس کا پیغام لوگوں تک پہنچاؤں۔ یہ کام مجھے ہر مخالفت دشمنی اور دباؤ کے باوجود سر انجام دینا ہے۔ مرغوباتِ دنیا کی مجھے کیا حاجت۔

الحمد للہ! میں بھی اُسی عظیم المرتبت آقا کا غلام ہوں۔ آقا کی اطاعت میں ہی میری سعادت مضمر ہے۔ اللہ تعالیٰ دمِ واپسیں تک مجھے اپنے آقا کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین۔

اسلام کی برکات

آخر میں یہ گذارش ضرور کروں گا۔ کہ اسلامی زندگی اپنانے سے میں نے ہر طرح سے قلبی۔ ذہنی اور روحانی سکون حاصل کیا ہے۔ مجھے قبولِ اسلام پر فخر اور ناز ہے۔ میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں۔ کہ میرا مذہب اسلام ہے۔ جو دنیا کے مذاہب کے مقابلے میں حقیقی صداقتوں اور بنیادی سچائیوں کا حامل ہے۔ جس کی آسمانی کتاب قیامت تک اپنی ضیاء پاشیوں سے لوگوں کے دلوں کو نورِ ایمان سے منور کرتی رہے گی۔ لیکن جہاں تک مسلمان بھائیوں کا تعلق ہے اس سلسلے میں دو باتیں خصوصاً میرے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ اور باعث ندامت ہیں۔ جب بھی غیر مسلم حضرات سے مذہبی گفتگو کا موقع ملتا۔ ان کے مقابلے میں توحیدِ ربانی میرے پاس ایسا کارگر ہتھیار ثابت ہوتا۔ کہ کفر و شرک کے سارے دلائل اُس کے سامنے هباءً منثورًا ہو جاتے لیکن جب غیر مسلم حضرات بطور طعن یہ کہتے کہ تم نے کس قوم کا دین اپنایا ہے جو پرلے درجے کے بے عمل لوگ ہیں۔ اور تمہارا اسلام تو اسلام کے نام لیواؤں کو بھی ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ کر سکا۔ تو بخدا احساس ندامت سے میری نگاہیں جھک جاتیں۔

فرقہ بندی

مسلمانوں میں یہ فرقہ بندی میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔ کیا یہ فرقہ بندی اسلام جیسے مقدس مذہب کے لئے ایک بدنما داغ کی حیثیت نہیں رکھتی؟ کیا قرآن کریم نے ہمیں اخوت و مساوات۔ اتحاد و اتفاق۔ صبر و تحمل اور رواداری کا سبق نہیں دیا۔ کیا ہم فرمانِ الٰہی کو بھول چکے ہیں: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ۖ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ (آل عمران ۱۰۳)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور فرقہ بندی مت اختیار کرو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے تم آگ کے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے واضح طور پہ بیان کرتا

ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آجائے۔

کیا گروہ بندیاں اور فرقہ بندیاں اعتصام بحبل اللہ کا مظہر ہیں ؟ اسلام نے تو تالیف قلب کا معجزہ دکھایا۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسوں کو ایک دوسرے پہ خون نثار کرنے والا بنا دیا۔ باہمی عداوت کو اخوت و موانست میں بدل دیا۔ کیا تاریخ عالم مہاجرین وانصار کے درمیان رشتہ مواخات کی کوئی نظیر پیش کر سکتی ہے ؟ کیا قرآن کریم نے ہمیں جہنم کی آگ کے گڑھے میں گرنے سے نہیں بچایا ؟ کیا ہماری فرقہ پرستی ارشادِ ربانی " وَلَا تَفَرَّقُوْا " سے اعراض نہیں ہے ؟ ہمارے سلف صالحین تو غیروں کے دل بھی رنجیدہ نہ کرتے اور ہم تو اپنوں کو بھی غیر بنا رہے ہیں۔ شاعر نے ہماری حالت کی کیا عمدہ تصویر کشی کی ہے۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا — دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام — کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

کیا یہ حکم قرآن حکیم میں موجود نہیں ؟ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (الانفال : ۴۶) اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں مت جھگڑو۔ ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی صبر سے کام لو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ باہمی فرقہ بازی اور تفرقہ بندی کیا اطاعت الٰہی اور اطاعتِ رسول کے منافی نہیں ؟ کیا فرقہ پرستی کی بنا پر ہماری ہوا اکھڑ نہیں چکی ؟ کیا مسلمان اقوام عالم کی نظر میں ذلیل و رسوا نہیں ہیں ؟ کیا ہم اپنی ملکی، قومی اور دفاعی ضروریات مہیا کرنے کے سلسلے میں یورپی اقوام کے دست نگر نہیں ؟ ان حالات میں کیا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آیا ہماری فلاح اس دین کو مضبوط تھامنے میں ہے یا اس سے تغافل برتنے میں۔

عالمگیر اخوت

ہماری وہ رواداری کہاں ہے۔ جس کی قسم غیر مسلم بھی کھایا کرتے تھے۔ ہماری وہ اسلامی اخوت کہاں گئی جس کی رہنمائی قرآن حکیم نے فرمائی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (الحجرات ۱۰) مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

یہ آیت دنیا کے تمام مسلمانوں کی ایک عالمگیر برادری قائم کرتی ہے اور یہ اسی کی برکت ہے کہ کسی دوسرے دین یا مسلک کے پیروکار اخوت کا وہ مظاہرہ نہ کر سکے جو مسلمانوں نے کیا۔ اس حکم کی اہمیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی بکثرت موجود ہے۔

حضرت جریرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین باتوں پر بیعت لی تھی۔ ایک یہ کہ نماز قائم کروں گا دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دیتا رہوں گا تیسرے یہ کہ ہر مسلمان کا خیر خواہ رہوں گا (بخاری کتاب الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا " مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر (بخاری کتاب الایمان) کیا آج سٹیج اور منبر رسول پر کھڑے ہو کر گالی گلوچ اور تکفیر بازی سے کام نہیں لیا جاتا؟ کیا ارشادِ نبویؐ کی تعمیل کا یہی طریقہ ہے؟

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت حرام ہے (مسلم۔ کتاب البر والصلۃ)

حضرت سہل بن سعدؓ ساعدی آپؐ کا یہ ارشاد روایت کرتے ہیں کہ اہل ایمان کے گروہ کے ساتھ ایک مؤمن کا تعلق ویسا ہی ہے جیسا سر کے ساتھ جسم کا تعلق ہے وہ اہل ایمان کی ہر تکلیف کو اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح سر جسم کے ہر حصے کا درد محسوس کرتا ہے۔ (مسند احمد)

بخاری و مسلم کی روایت ہے مومنوں کی مثال آپس کی محبت، وابستگی اور ایک دوسرے پر رحم و شفقت کے معاملہ میں ایسی ہے جیسے ایک جسم کی حالت ہوتی ہے کہ اس کے کسی عضو کو بھی تکلیف ہو تو سارا جسم اس پر بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے (تفہیم)

صحابہ ایمان کا معیار ہیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام ربانی پر سب سے پہلے ایمان والے حضرات صحابہؓ جیسے مقدس نفوس تھے۔ جن کے ایمان لانے کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے معیار مقرر فرما دیا۔ ارشاد ربانی ہے: فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا (البقرہ: ۱۳۷) پس اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو انہوں نے راہ ہدایت کو پالیا۔

حضرت صدیقؓ، حضرت فاروقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر تمام صحابہؓ کرام کے

ایمان کو معیار قرار دیا گیا کہ جس شخص کا ایمان اس معیار سے مطابقت رکھتا ہے وہ عنداللہ مقبول ہے اور اسی مطابقت میں راہِ ہدایت کی ضمانت ہے۔ معیار کی مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ (الفتح : ۲۹)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحیم ہیں تم جب دیکھو گے اُنھیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے سجود کے اثرات ان کے چہروں پہ نمایاں ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔

یہ ہے اس معیارِ ایمانی کی وضاحت جو صحابہ ؓ نبی نے قائم کیا۔ اس آیت میں آپ کے ساتھیوں کی چند خوبیوں کا تذکرہ کیا گیا یعنی ۱۔ کفار کے مقابلے میں استقامت و مضبوطی۔ ۲۔ آپس میں رحمت و شفقت ۳ رکوع و سجود یعنی عبادتِ الٰہی میں مشغولیت ۴ اللہ کے فضل کی جستجو ۵ رضائے الٰہی کی تلاش ۶ چہروں پر عبادات کے اثرات۔

معیتِ رسولؐ

صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پہ چلتے ہوئے جو شخص بھی ان اوصاف سے متصف ہو گا وہی معیتِ رسولؐ سے مشرف ہو گا اور یہی معیت دنیوی اور آخروی فوز و فلاح کی ضامن ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے : اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ۔ یعنی میرے تمام صحابہؓ بلا امتیاز روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس کے نقشِ قدم پر بھی چلو گے میری بارگاہ تک پہنچ جاؤ گے۔

قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے نبی کی معیت میں ہو گی۔ محمد رسول اللہ کی معیت کے شرف کو حاصل کرنے کے لیے لازم ہے کہ ہم اپنے اندر صحابہ کرامؓ کے اوصاف پیدا کریں توحیدِ ربانی اور نبوتِ محمدی پر صحابہ کرامؓ کی طرح ایمان لائیں۔ اخلاق کردار، اعمال اور عقائد کو صحابہؓ کے قائم کردہ سانچے میں ڈھالیں۔ دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں مضبوط چٹان کی مانند بن جائیں۔ یہ اوصاف اسی صورت میں جنم لے سکتے ہیں جب کہ ذہنی طور پر ہم آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا کریں۔ گروہ بندیوں سے احتراز کریں۔ کیا صحابہ کرامؓ میں مذہبی طور پہ گروہ بندی موجود تھی؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ حضرات تو جسدِ واحد کی طرح تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ نے ایک رشتے میں منسلک کر کے انھیں

ایک ایسی وحدت میں تبدیل کر دیا تھا۔ جس کے سامنے دنیا کی بڑی بڑی ترقی یافتہ اقوام نے سر تسلیم خم کر دیا۔

اگر صحابہ کرام کا ایمان و کردار ہمارے لئے معیار کی حیثیت میں سامنے آتا ہے تو کیا فرقہ بندیوں کے چکر میں پڑ کر ہم اس معیار پر پورے اتر رہے ہیں ؟

کیا صحابہ کرام کی طرح اسلامی عبادات میں ہم پوری پوری دلچسپی لیتے ہیں ؟ کیا ہماری اکثریت عبادات اسلامیہ کی پابند ہے ؟ کیا ہم مجموعی طور پر سب سے اہم عبادت نماز کو ترک نہیں کر چکے جس کو آنحضرت نے آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا تھا۔

کیا ہم کسب معاش میں صحابہؓ کی طرح صرف رزق حلال کے متلاشی ہیں کیا ہم اپنے فرائض منصبی کی تکمیل کے لئے دیانتداری سے کوشش کرتے ہیں ؟

کیا ہم ہر کام اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لئے سرانجام دیتے ہیں اور اس کی تہ میں ذاتی اغراض و مفادات کا جذبہ کار فرما نہیں ہوتا ؟

کیا عبادات کا نور ہمارے چہروں سے جھلک رہا ہے ؟ عبادات کا یہ نور قیامت کے روز ہمیں فوز و کامرانی کا رستہ دکھائے گا یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُهُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ بِاَیۡمَانِهِمۡ (الحدید : ۱۲) اس دن جب کہ تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ ان کا نور ان کے آگے آگے اور ان کی دائیں جانب دوڑ رہا ہو گا۔

اگر ہم مندرجہ بالا اوصاف سے اپنے آپ کو مزین نہ کر سکے تو قیامت کے روز معیت رسولؐ کا شرف ممکن الحصول نہیں۔ بلکہ صحابہ کرامؓ کے قائم کردہ معیار کو اپنا لینے سے انسان اس دنیوی زندگی میں بھی معیت رسولؐ کی سعادت سے مشرف ہو سکتا ہے۔ اس کی ایک سادہ سی مثال پیش کرتا ہوں ہمارے گھر میں بجلی کا جو بلب روشنی بکھیر رہا ہے۔ یہ کسی ربط اور تعلق کے بغیر روشنی فراہم نہیں کر رہا۔ بلکہ کسی ربط و اتصال کی بناء پر منور ہے۔ لمبی لمبی تاروں کے ذریعہ اس کا آخری رابطہ پاور ہاؤس کے ساتھ ہے۔ جو اس بلب سے صدہا میل دور قائم ہے۔ اگر راستے میں کہیں یہ رابطہ منقطع ہو جائے تو ہمارے گھر کا بلب روشن نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ایک پاور سٹیشن کی حیثیت حاصل ہے جو

سینکڑوں میل دور مدینہ طیبہ میں قائم ہے، جس سے نور ایمانی کی تاریں نکل کر اقصائے عالم تک پھیلی ہوئی ہیں جس شخص نے بھی اپنے دل کی تار کا ان سے کنکشن کر لیا اس کا دل و دماغ ایمان کے نور سے منور ہو گیا اور جو شخص شومیٔ قسمت سے اس کنکشن سے محروم رہا شرک و کفر کی تیرہ و تاریک وادیوں میں بھٹکتا پھرا۔ اس اتصال اور کنکشن کو فیوز ہونے سے بچانے کے لیے قرآن و سنت کی ہدایات پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اگر ہم بجلی کی مثبت اور منفی تاروں کو جوڑ دیں۔ تو فیوز اڑ جاتا ہے اور گھر میں تاریکی چھا جاتی ہے اسی طرح نیک اعمال کے ساتھ بددیانتی، مکاری، حرام خوری اور اعمال سیئہ کے اختلاط سے ایمانی نور کا فیوز اڑ جاتا ہے۔

اگر ہم دنیا و آخرت کی بہتری اور کامرانی کے طالب ہیں تو صحابہ کرامؓ کی طرح ہمارا ارتباط بھی نبوت کے پاور سٹیشن سے قائم رہنا ضروری ہے۔ توحید ربانی اور نبوت محمدی پر ایمان۔ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ اس ارتباط و اتصال کے لیے بنیادی حیثیت کے حامل ہیں۔

وحدت اسلامیہ اور ارکان اسلام

کیا ہم شدومد سے اس امر کا دعویٰ نہیں کرتے کہ ہمارا خدا ایک ہے، ہمارا رسول ایک ہے ہمارا قرآن ایک ہے اور ہمارا کعبہ ایک ہے کیا ان وحدتوں اور اکائیوں کا منطقی نتیجہ یہ نہیں کہ ہم ان وحدتوں کو تسلیم کرنے والے مسلمان بھی ایک ہیں۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ اکائی اور وحدت منتشر اور پریشان اجزار کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ حالانکہ ہمارے دین کی بنیاد ان ارکان خمسہ پر استوار کی گئی ہے جن میں امن و سکون وحدت و یگانگت اور اخوت و اتحاد کا سبق مضمر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بخاری اور مسلم میں مروی ہے۔ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر استوار کی گئی ہے۔ اول اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ دوم اقامت صلاۃ سوم ادائے زکوٰۃ۔ چہارم حج بیت اللہ اور پنجم صوم رمضان۔

یہ ارکان خمسہ ذہنی۔ عملی اور اخلاقی لحاظ سے وحدت و اتحاد کا درس دیتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ۱۳ سالہ مکی زندگی میں ذہنی اور نظریاتی وحدت پیدا کرنے کے لیے رکن اول کی تبلیغ میں کوئی کسر باقی نہ

چھوڑی۔ کیونکہ اصلاحی تحریک اسی صورت میں عروجِ کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے جب کہ اس کے پیروکاروں اور ہم سفروں میں ذہنی اور نظریاتی اتحاد پیدا کر دیا جائے یہ مقدس نظریہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا نظریہ تھا۔ جس نے مکی زندگی کے پرآشوب دور میں صحابہ کرام کو جسدِ واحد کی طرح بنا دیا اور جن کی سوچ کے دھارے ایک ہی سمت بہنے لگے۔

نظریاتی وحدت کے بعد مدنی زندگی میں عملی وحدت کی طرف توجہ مرکوز کی گئی۔ اس وحدت کا دلکش منظر نماز کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ تمام مسلمان دن رات میں پانچ مرتبہ محلے کی مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور ایک معبود کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر وحدت کا سبق لیتے ہیں۔ اس سبق کو عام کرنے کیلئے پورے شہر کو ہفتہ میں ایک بار جمعہ کی نماز کے لئے ایک جامع مسجد میں جمع کیا گیا۔ تاکہ محلوں کے علاوہ پورا شہر وحدت کے رنگ میں رنگا جائے۔ اور سال میں دو مرتبہ تمام علاقے کے مسلمانوں کو عیدین کی نماز کے لئے یک جا ہونے کی دعوت دی گئی تاکہ وحدت ویگانگت کی بارانِ رحمت سے پورا علاقہ فیض یاب ہو سکے۔

صاحب استطاعت لوگوں پر عمر بھر میں ایک مرتبہ نماز حج لازم قرار دی گئی۔ کہ وحدت کا جو سبق محلے شہر اور علاقے میں حاصل کیا گیا ہے اس سے ربع مسکون کے مسلمانوں کو مستفیض کیا جائے رنگ ونسل۔ زبان و وطن کی بیگانگت کو ختم کرنے کے لئے ہر فرد کے لئے ایک سا لباس احرام کی صورت میں مقرر کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس وحدت کے قیام وارتقار کے لئے دعائیں مانگنے اور التجائیں کرنے کے لئے صرف قرآن کی زبان کو بین الاقوامی زبان قرار دیا گیا۔ تاکہ عرب وعجم کا امتیاز باقی نہ رہے۔

کیا دنیا کا کوئی مذہب وحدت کا ایسا منظر پیش کر سکتا ہے کہ ع تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔ اس وحدت میں جو اسباب رخنہ انداز ہو سکتے تھے زکاۃ اور روزے فرض کر کے ان کا ازالہ کر دیا گیا۔ دنیا میں امیر وغریب کے درمیان نفرت کی ایک گہری خلیج ہمیشہ حائل رہی ہے دولتمند دل نے ہر زمانے میں غریبوں کا خون چوس چوس کر اپنی تجوریوں کو بھرا۔ غریب ہر دور میں ظلم و زیادتی کی چکی میں پستا رہا لیکن امراء کے خلاف دل میں نفرت کے جذبات کو جنم دینے کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکا اسلام نے اس خلیج کو پاٹنے کے لئے مالی نظام یعنی زکاۃ کا ایسا مضبوط پل تعمیر کر دیا جس کو عبور

کر کے امیر و غریب باہم گلے مل گئے۔ نفرت و حقارت اور ظلم و عدوان کی کوئی دیوار ان کے درمیان حائل نہ رہی۔ مزید براں امراء کو غریبوں کی بھوک پیاس اور نکبت و افلاس کا احساس دلانے کے لئے روزہ فرض کیا گیا تاکہ امراء کے دل میں غریبوں کی بے بسی۔ بے کسی اور بھوک پیاس کا سچا احساس پیدا ہو۔ وہ غرباء کے لئے فیاضی کا ہاتھ بڑھائیں اور ان کی منجمد دولت گردش میں آجائے۔

سبحان اللہ، اتحاد و اتفاق، اخوت و مساوات، محبت و موانست اور وحدت و یگانگت کا کیسا عمدہ سبق اسلام نے سکھایا۔ سلف صالحین نے اس درس کی تشریح اپنے عمل سے کی۔ خلافت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں کوئی شخص زکوٰۃ کا طالب نہیں ملتا تھا۔ بیت المال سے ہر شخص کی ضروریات کی کفالت کی جاتی۔

ہماری گروہ بندی

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے اس سبق کو طاق نسیاں پہ رکھ دیا ہم نے اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ حتیٰ کہ آج ہمارے باہمی عقائد جدا ہماری مسجدیں علیحدہ ہماری نمازیں الگ۔ ہماری اذانیں مختلف اور ہمارے نظریات کے دھارے مختلف سمتوں میں بہنے لگے۔ ہم سے کچھ حضرات نے دیو بندی مسلک اپنایا۔ بعض نے بریلوی مکتب فکر سے تعلق قائم کیا۔ بعض نے اہلحدیث مسلک کی اقتداء کی اور بعض حضرات نے تشیع کو اپنا طریق قرار دیا۔ کیا صحابہ کرامؓ میں اس نام کے فرقے موجود تھے؟ کیا قرآن کریم کی کسی آیت میں اس تفرق و تشتت کو جائز قرار دیا گیا ہے؟ کیا ہماری یہ گروہ بندیاں اسلامی وحدت کے اُجلے دامن پہ بدنما اور مکروہ داغ کی حیثیت نہیں رکھتیں؟

فرض کیجئے ایک عیسائی معتقدات کا حامل شخص قرآن کریم کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام کی حقانیت کا قائل ہو جاتا ہے اور وہ چاہتا ہے۔ کہ میں کسی عالم دین کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با سلام ہو جاؤں۔ آپ اُسے کس فرقے میں شمولیت کی دعوت دیں گے۔ کہ آپ دیو بندی مسلک اختیار کریں یا بریلوی۔ اہلحدیث کا طریقہ اپنائیں یا شیعہ حضرات کا۔ کیا ایک سمجھدار عیسائی جواب میں یہ بات نہیں کہے گا۔ کہ میں ایسے اسلام سے باز آیا۔ جو اپنے ماننے والوں کو بھی ایک وحدت میں منسلک نہیں کر سکتا۔ وہ اسلام کو مختلف العقائد اور متنوع الخیال فرقوں کا ملغوبہ اور معجون مرکب خیال کرے گا۔

میرے ایک دوست پاکستانی فوج میں میجر تھے۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ ہم آزاد کشمیر کے محاذ پر اپنے فرائض کی انجام دہی کے سلسلے میں مقیم تھے۔ گاہے گاہے انڈین آرمی کے آفیسرز سے ملاقات ہو جاتی۔ ایک دن ایک عیسائی انڈین میجر نے ہمیں اپنے کیمپ میں چائے پر مدعو کیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی میز پر مثنوی مولانا روم پڑی ہے۔

میں نے پوچھا یہ کتاب آپ نے کس غرض سے رکھی ہوئی ہے۔ اس نے کہا مثنوی کے مطالعہ نے مجھے اسلام کے بہت قریب کر دیا ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کو اسلام کی کونسی بات پسند آئی ہے میجر صاحب نے فرمایا سوائے مسلمان کے مجھے اسلام کی ہر چیز پسند ہے۔ میری گردن احساس ندامت سے جھک گئی۔ اسلام قبول کرنے کے کچھ عرصہ بعد جب میری مختلف الخیال علماء سے ملاقات ہوتی تو ان کا یہ ارشاد۔ کہ تم ہمارے مسلک کو اپنالو۔ مجھے پریشان کر دیتا کہ مجھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرف باسلام فرماتے وقت ہرگز کوئی ایسی ہدایت نہیں دی تھی کہ دیوبندی یا بریلوی یا اہلحدیث یا شیعہ حضرات کا مسلک قبول کر لینا اگر اسلام کیلئے ان مسالک مختلفہ میں سے کسی مسلک کی طرف منسوب ہونے پر اسلام کا دارومدار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور فرما دیتے۔

میرا مسلک

الحمدللہ میں نے وہ مسلک اپنایا ہے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا ما انا علیہ واصحابی عرب کے ایک شاعر نے خوب کہا ہے ؂

أَبِي الْإِسْلَامُ لَا أَبَ لِي سِوَاهُ ۔۔۔ إِذَا افْتَخَرُوا بِقَيْسٍ أَوْ تَمِيمِ

یعنی جب لوگ آباؤ واجداد اور نسل پر فخر کرتے ہیں کہ قیس یا تمیم ہمارے آباؤ واجداد تھے۔ تو میں کہتا ہوں کہ میرا باپ تو اسلام ہے۔ اسلام کے سوا میں کسی کو باپ تسلیم نہیں کرتا۔ میں بھی اسی چیز کا قائل ہوں۔ کہ میرا مذہب وہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے مجھے ملا۔ میں صرف اسلامی فرقے کا قائل ہوں۔ اسلام کے علاوہ دوسرے فرقوں کی طرف منسوب ہونا مناسب ہی نہیں۔ ناموں کے دبیز پردوں کی تہوں میں اسلام کے حقیقی چہرے کو چھپا دیا گیا ہے۔

باہمی اختلاف اور کتاب وسنت

کیا ہم مدعیان اسلام توحید ربانی، نبوت محمدی اور ہدایات قرآنی پر اتفاق کر کے متحد نہیں ہو سکتے کیا کتاب الہی اب ہدایت کا سرچشمہ نہیں ہے؟ کیا ہمیں اپنے اختلافات کو کتاب اللہ اور سنت رسول

کی روشنی میں ختم کرنے کا حکم نہیں دیا گیا؟ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝ (النساء: ۵۹) اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع پیدا ہو جائے تو اللہ اور رسولؐ کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پہ ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

کیا آج تک ہم نے خلوصِ دل اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مدنظر باہمی اختلافات کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی خدمت میں پیش کیا ہے؟ کیا ہم نے انتشارِ امت کے اختتام کے لیے کبھی خدا اور رسول سے مشورہ اور ہدایت طلب کی ہے؟ اگر ہم ایسا کر لیتے تو ہم اختلافات کی وسیع و عریض خلیج کو عبور کر کے اتحاد کی منزل تک پہنچ جاتے۔ جدل و مناظرہ اس کے ذیل میں نہیں آتا۔ کیونکہ بحث و مباحثے کی اصل غرض مدمقابل کو نیچا دکھانا ہوتا ہے۔ مناظروں سے آج تک حق ثابت نہیں ہو سکا۔ فروعی اختلافات تو صحابہؓ کرام میں بھی پائے جاتے تھے۔ کیا وہ الگ الگ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ سرکارِ دو عالمؐ نے اختلافِ امت کو "رحمۃ" قرار دیا۔ لیکن ہمارے فرقہ دارانہ تعصبات تو زحمت ہیں۔ جن کی وجہ سے ہماری سوچ کے دھارے مختلف سمتوں میں رواں ہیں۔ ہم تو ل کر ایک مسلمان کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتے۔ کیا اسلام نے بغض و عناد کی تعلیم دی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی قسم ایسے واقعات سے مجھے بے حد ذہنی اذیت ہوتی ہے۔ کیا ایک غیر مسلم ہمارے ان دینی تعصبات کو دیکھ کر یہ نتیجہ نہیں نکالے گا کہ قرآن و سنت کی تعلیم بے اثر ہے۔ خاکم بدہن۔ ہم تو اپنے ان تعصبات دینی کی وجہ سے اسلام جیسے مقدس مذہب کو تضحیک کا سامان بنا رہے ہیں۔

ہدایت کی دعا

میں آج بھی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر ایک مسلمان خلوصِ دل کے ساتھ بارگاہ رب العالمین میں یہ دعا کرے یا اللہ اسلام میں کئی فرقے پیدا ہو چکے ہیں جن میں سے ہر فرقہ دوسرے کی تکفیر کرتا ہے۔ آپ صحیح اسلام کی طرف میری راہنمائی فرمائیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضرور انکشافِ حقیقت ہو گا۔

اسی دعا نے مجھے کفر سے نکال کر اسلام کے دامن میں پناہ دی تو کیا یہ دعا ایک مسلمان کو سچا مسلمان نہیں بنا سکتی۔ آیئے ہم اپنے اختلافات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مقدس بارگاہ

میں پیش کریں. کیونکہ اسلامی نظام میں خدا کا حکم اور رسول ؐ کا طریقہ بنیادی قانون اور آخری سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جو فیصلہ وہاں سے ملے اس کے سامنے ہم سب سر تسلیم خم کر دیں۔

عوام کا اسلامی جذبہ

میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے عوام میں خدا اور رسول کے لئے تڑپ کا صحیح جذبہ موجود ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہر دور میں اکثر ایسے راہنما۔ لیڈر اور مصلح میسر آئے جو انگریز کے بدنام فارمولے Divide and Rule پر عمل پیرا رہے جو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ہمیں گروہ بندیوں کی تاریک و عمیق وادیوں میں دھکیلتے رہے۔ ہمارے انتشار و افتراق کا باعث یہی لوگ ہیں۔ جنہوں نے اسلامی وحدت کی متاعِ گرانبہا کو چند کھوٹے سکوں کے عوض داؤ پر لگا دیا اور پیغمبرانہ تبلیغ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ کی راہ اعتدال سے اعراض کیا اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں اور اسلام کو صالح قیادت نصیب فرمائیں تو ہم اسلامی وحدت کی روح میں حیات نو پیدا کر سکتے ہیں۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے ان میں یقیناً سچی تڑپ اور حقیقی جذبہ موجود ہے جب بھی اسلام کے مقدس نام پر پکارا گیا۔ تو انہوں نے ہمیشہ لبیک کہی۔ اور کفن بردوش شہادت گاہ میں پہنچ گئے۔ اگرچہ آواز دینے والوں کے مقاصد سیاسی نوعیت کے کیوں نہ ہوں۔ لیکن عوام ہمیشہ جان کی بازی لگانے کے لئے تیار رہے۔ کیا قیامت کے دن یہ خون سر چڑھ کر نہیں بولے گا۔ اس وقت کیا جواب ہوگا

میرے دل میں عوام کا تاثر

میں اسلام لانے کے بعد ذاتی طور پر انہی عوام اور سادہ دل لوگوں سے متاثر ہوا جو میل ہا میل پیدل چل کر اپنی مصروفیات نظر انداز کر کے ہر عدالت میں میرے ساتھ موجود ہوتے اور میرے تحفظ کے لئے اپنا خون بہانے کو تیار ہوتے۔ عوام چونکہ اس موجودہ دور کی سیاست سے نابلد ہیں۔ اس لئے ان کے دل اخلاص کے زیور سے آراستہ ہیں۔ میں نے دیکھا کہ جب ہدایہ کے ترجمہ کے پہلے حصے کتاب الصلاۃ میں میرا مختصر سا تعارف شائع ہوا۔ اور یہی تعارف پروفیسر عبدالغنی صاحب فاروقی نے اپنی کتاب "ہم کیوں مسلمان ہوئے" اور ادارہ اکوڑہ خٹک نے اپنے ماہنامہ "جامعہ" جولائی ۱۹۷۲ء میں شائع کیا۔ تو اس اشاعت کے بعد سینکڑوں مسلمان بھائیوں نے خطوط کی صورت میں اپنی دینی عقیدت اور جذبات صادقہ کا اظہار کیا۔ مکاتبت و مراسلت کا یہ سلسلہ طویل عرصے سے جاری ہے۔ بلکہ بعض حضرات تو کراچی

اور رحیم یار خاں جیسے دور دراز مقامات سے شرف ملاقات سے مستفیض کرنے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ ان سب دوستوں اور کرم فرماؤں کو اپنی اور اپنے حبیبؐ کی حقیقی محبت سے سرشار فرمائیں۔

مسلمان بھائیوں سے گذارش

آخر میں آپ کا یہ نومسلم بھائی آپ حضرات سے صرف ایک بات کی استدعا کرتا ہے۔ کہ آیئے ہم اسلامی طریقِ حیات کو اپنانے کا عہد کریں۔ اپنے عقائد، اعمال، کردار، اخلاق اور سیرت کو سنت نبویؐ کے سانچے میں ڈھالیں۔ تاکہ بروزِ حشر ہمیں آقاؐ کے قدموں میں جگہ مل جائے اور ہم اُخروی فوز و فلاح سے بہرہ مند ہوسکیں۔ دنیوی اور اُخروی کامیابی کی بنیاد اطاعت الٰہی اور اطاعت رسولؐ پر استوار ہوتی ہے جو دراصل اطاعت خدا ہے اس مضمون کو قرآن کریم نے متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔ چند آیات نمونے کے طور پر صفحہ قرطاس پر تحریر کرتا ہوں مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء: ۸۰) جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے دراصل خدا کی اطاعت کی۔

اطاعتِ الٰہی

اسلامی نظام میں مطاع اللہ تعالیٰ ہے۔ ایک مسلمان سب سے پہلے بندۂ خدا ہے باقی جو کچھ بھی ہے اس کے بعد ہے مسلمان کی انفرادی زندگی اور مسلمانوں کے اجتماعی نظام، دونوں کا مرکز و محور خدا کی فرمانبرداری اور وفاداری ہے دوسری اطاعتیں اور وفاداریاں صرف اس صورت میں قبول کی جائیں گی۔ کہ وہ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کے مدمقابل نہ ہوں بلکہ اس کے تحت اور اس کے تابع ہوں ورنہ ہر وہ حلقہ اطاعت توڑ کر پھینک دیا جائے گا جو اس اصلی اور بنیادی اطاعت کا حریف ہو یہی بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کے لیے کوئی اطاعت نہیں

اطاعتِ رسولؐ

اسلامی نظام کی دوسری بنیاد رسولؐ کی اطاعت ہے یہ اطاعتِ خدا کی عملی صورت ہے رسولؐ اس لیے مطاع ہے کہ وہی ایک مستند ذریعہ ہے جس سے ہم تک خدا کے احکام و فرامین پہنچتے ہیں۔ ہم خدا کی اطاعت اس طریقہ سے کرسکتے ہیں کہ رسولؐ کی اطاعت کریں۔ کوئی اطاعتِ خدا رسولؐ کی سند کے بغیر معتبر نہیں اور رسولؐ کی اطاعت سے منہ موڑنا خدا کے خلاف بغاوت ہے۔ اسی مضمون کو یہ حدیث واضح کرتی ہے۔ جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی

اس اطاعت کا تعلق صرف زبانی دعوے تک محدود نہیں۔ بلکہ یہ اطاعت پوری عملی زندگی پر حاوی ہے جب تک ہم مکمل طور پر سنت نبوی ﷺ کے سانچے میں نہیں ڈھل جاتے ہم اس اطاعت کے فریضہ سے عہدہ برآء نہیں ہو سکتے۔ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ○ (آل عمران)

اے نبی ﷺ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت قبول کرلو۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت، شفقت اور رحمت کے حصول کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ کہ ہم رسول اکرم ﷺ کی پیروی اختیار کریں۔ تاکہ آپ کے نقش قدم پر چل کر آپ کی بارگاہ تک رسائی کی سعادت حاصل کرلیں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

جو شخص اپنی عملی زندگی آپ ﷺ کی سنت کے تقاضوں کے مطابق بسر نہیں کرسکتا۔ اعتقادیات عبادات۔ اعمال۔ اخلاقیات اور شب و روز کے معاملات میں سنت نبویہ کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ کبھی بھی آپ کی بارگاہ تک پہنچنے کی سعادت حاصل نہیں کرسکتا۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اس مضمون کو مندرجہ ذیل آیت میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ○ (النساء ۱۳-۱۴)

جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ اور ان باغوں میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی

کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرے گا اُسے اللہ آگ میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن سزا ہے۔

آیت میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ کہ اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسول کا نتیجہ رضائے خداوندی اور حصولِ جنت ہے۔ اسی اطاعت کو فوزِ عظیم کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس کے برعکس خدا و رسولؐ کی نافرمانی دائمی خسارے اور نقصان کا سبب ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (النساء ۶۵) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔

اس آیت کا حکم صرف حضورؐ کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہے جو کچھ اللہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور جس طریقہ پہ اللہ کی ہدایت و راہنمائی کے تحت آپ نے عمل کیا ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کن سند ہے اور اس سند کو ماننے یا نہ ماننے ہی پہ آدمی کے مومن ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ حدیث میں اس بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس اس طریقہ کی تابع نہ ہو جائے جسے میں لیکر آیا ہوں (تفہیم)

اطاعت خدا و رسول کا ثمرہ بیان کرتے ہوئے فرمایا وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا (النساء ۶۹) جو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پہ اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔

یعنی وہ انسان خوش قسمت ہے جسے ایسے لوگ دنیا میں رفاقت کے لئے میسر آئیں اور جس کا انجام آخرت میں بھی ایسے ہی لوگوں کے ساتھ ہو کسی آدمی کے احساسات مردہ ہو جائیں تو بات دوسری ہے ورنہ درحقیقت بدسیرت اور بدکردار لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا دنیا ہی میں ایک

عذاب الیم ہے کجا کہ آخرت میں بھی آدمی انہی کے ساتھ اس انجام سے دوچار ہو جو ان کے لئے مقدر ہے اسی لئے اللہ کے نیک بندوں کی ہمیشہ یہی تمنا رہی ہے کہ ان کو نیک لوگوں کی سوسائٹی نصیب ہو۔ اور مر کر بھی وہ نیک ہی لوگوں کے ساتھ رہیں (تفہیم)

آخرت میں معیتِ رسولؐ و صالحین بہت بڑا انعام ہے جو انسان کی فلاح و نجات کی سند ہے قرآن کریم میں اطاعت خدا اور رسولؐ کے سلسلے میں بہت سے احکام موجود ہیں میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے چند آیات تحریر کی ہیں۔ اس سلسلے میں چند ایک فرامینِ نبویؐ کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ رَسُوْلِہٖ (موطاء امام مالک) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے انھیں مضبوطی سے تھامے رکھا تو تم گمراہ نہ ہو سکو گے۔ وہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سُنت ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِائَۃِ شَہِیْدٍ جب میری اُمت کے افراد بدعلی اور بدعات میں مبتلا ہو جائیں گے تو اس دور میں جو شخص میری سُنت پر عامل ہو گا۔ اسے سو شہیدوں کا اجر حاصل ہو گا۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ جو شخص ہمارے دین میں ایسی کوئی نئی بات پیدا کرے جو دین کا حصہ نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔

اعتصام بالسنت کے سلسلے میں احادیث کثیرہ کتب حدیث میں موجود ہیں۔ لیکن میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے دو تین احادیث پر اکتفا کیا ہے۔

مندرجہ بالا آیات و احادیث سے عیاں ہے۔ کہ اسلام اطاعتِ خدا و رسولؐ کا دوسرا نام ہے اس اطاعت کا مقصد یہ نہیں کہ ہم صرف اپنی زبان سے دعویٰ کریں کہ ہم اللہ اور رسولؐ کے محب ہیں جب تک کہ ہم اپنے عمل سے اس محبت کا ثبوت پیش نہ کریں۔ ہمارے عقائد۔ اخلاق۔ سیرت و کردار۔ اعمال اور طریقِ حیات جب تک سُنتِ نبویؐ کے سانچے میں نہ ڈھل جائے اس وقت تک ہم ایمان کی دولت سے فیض یاب نہیں ہو سکتے

اعمال مدار نجات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ نجات کا دار و مدار رنگ و نسل اور زبان و وطن پر نہیں۔ بلکہ فوز و فلاح کا دار و مدار نیک اعمال پر ہے
آپؐ نے اعمال کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے حضرت فاطمہ رضؓ سیدۃ النساء کو فرمایا۔
یَا فَاطِمَۃُ بِنْتَ مُحَمَّدٍ اِعْمَلِی لِنَفْسِكِ فَاِنِّی لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اے فاطمہ! تجھ سے بھی تیرے اعمال کے بارے میں پرسش ہوگی۔ صرف پیغمبر کی بیٹی ہونا تیرے لئے کفایت نہیں کریگا اس لئے زندگی ہی میں نیک اعمال سے اپنی جھولی بھر لے اس ارشاد کا اصل مقصد اُمت کو یہ بتانا تھا۔ کہ اعمال صالحہ کے بغیر آخرت میں کامیابی ممکن نہیں۔
مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم تمام احکام قرآن و سنت پر عمل پیرا ہوں۔ تاکہ ہماری زندگی قرآن و سنت کا عملی نمونہ ہو۔

میری آخری خواہش

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتا ہوں کہ اللہ رب العزت روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو سچا اور حقیقی مسلمان بننے کی توفیق دیں۔ کتاب و سُنت کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کی سعادت سے نوازیں۔ اور ہر قسم کے اعمال بد سے اجتناب کی ہمت دیں۔ خدا کرے ہماری زندگی کا ہر پہلو خواہ دنیاوی ہو یا دینی۔ عبادات سے تعلق رکھتا ہو یا معاملات سے اعمال سے متعلق ہو یا اخلاق سے کتاب و سنت کی روشنی سے منور ہو۔ خدا تعالیٰ ہمیں نماز کے قیام کی توفیق دیں۔ اور برائیوں سے بچائیں۔ تاکہ بروز قیامت ہم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔
اللہ تعالیٰ تمام عالم اسلام کو استحکام نصیب فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے وطن پاکستان کی خصوصاً حفاظت فرمائیں۔ اور اس وطن کو اسلام کا گہوارہ بنادیں۔ آمین یا اللہ العلمین
آخر میں قارئین کرام سے التماس ہے۔ کہ اپنے اس ناچیز بھائی کو خصوصی دعاؤں میں یاد فرمایا کریں۔ والسلام۔
ربنا اید الاسلام والمسلمین بالامام العادل والخیر والطاعات واتباع سنن سید الموجودات۔ اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اخذل من خذل دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سکولوں اور کالجوں کے لئے منظور شدہ بمطابق
O (CD), EDU, 75/1—3. Govt. of the Paujab,
ation Department. Dated Lahore 14.5.1980

اسی مصنف کے قلم سے

۱- Sayings of the Holy Prophet
۲- موسیٰ ابن نصیر
۳- ترجمہ اصول الشاشی
۴- اردو ترجمہ کتاب الصلاۃ من الهدایه
۵- « « کتاب الزکاۃ «
۶- « « کتاب الصوم «
۷- « « کتاب الحج «
۸- « « کتاب النکاح «
۹- « « کتاب الطلاق «
۱۰- « « کتاب الایمان «
۱۱- « « کتاب الحدود «
۱۲- « « کتاب السرقة والسیر «
۱۳- « « کتاب اللقیط «
۱۴- « « کتاب البیوع «
۱۵- « « کتاب ادب القاضی «
۱۶- « « کتاب الشهادت «